# تقریر جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ لاہور

# (۱۹۴۸ء)

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

# تقریر جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ لاہور ۱۹۴۸ء

(فرمودہ ۲۶؍دسمبر ۱۹۴۸ء بمقام لاہور)

(غیر مطبوعہ)

تشہّد ،تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

کھانسی کی موجودہ تکلیف کے بعد مجھے کسی لمبی تقریر کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یہ پہلا موقع ہے جو مجھے ملا ہے اور گو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے پہلے کی نسبت آرام ہے لیکن چونکہ کھانسی کی تکلیف ابھی باقی ہے اس لئے شاید میں کوئی لمبی تقریر نہ کر سکوں میری آواز بھی اِس وقت بیٹھی ہوئی ہے علاوہ اس کے وہ بھرائی ہوئی ہے لیکن لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے میں سمجھتا ہوں کہ میری آواز اِنۡشَاءَ اللّٰه دوستوں تک پہنچ جائے گی اور میں اپنے اُن مختصر خیالات کے اظہار کا موقع پا سکوں گا جن کے اظہار کے لئے میں اِس وقت کھڑا ہوا ہوں۔

جیسا کہ احباب کو معلوم ہے آج کا جلسہ لاہور کی مقامی جماعت کا جلسہ ہے یہ ہمارا جلسہ سالانہ نہیں جو مرکزی جلسہ ہوا کرتا ہے۔ مرکزی جلسہ سالانہ کے متعلق ہمارا ارادہ تھا کہ اِس سال اپنے نئے مرکز میں کیا جائے اور وہ جلسہ ہمارے نئے مرکز کا پہلا جلسہ ہو لیکن بہت سی مشکلات کی وجہ سے جو ہمارے رستہ میں حائل ہو گئیں ہم اس ارادہ کو پورا نہیں کر سکے۔ وہاں اِس وقت تک کوئی عمارت تعمیر نہیں ہو سکی کیونکہ ابھی تک حکومت کے پاس سے کاغذات نہیں نکلے۔ ابھی تک یہی بحث ہو رہی ہے کہ اس جگہ کس شان کا اور کیسے کیسے نئے دریافت شدہ اصولوں کے مطابق شہر بسایا جائے۔ گو حقیقت یہی ہے کہ ہم تو مشرقی پنجاب کے مہاجر ہیں اور

مہاجر بھی ایسے جن کی جائیدادوں کو نہ بیچنے کی اجازت ہے اور نہ یہاں لانے کی اجازت ہے جو جائیداد یہاں لائی نہیں جاسکتی اسے فروخت کرنے کی اجازت نہیں اور جو لائی جاسکتی ہے اسے یہاں لانے کی اجازت نہیں۔ ایسے لوگوں کے پاس روپیہ آیا کہاں سے جس سے وہ جدید ترین طریقوں پر ایک عظیم الشان شہر بسا سکیں۔ اِس موقع پر کسی بڑے شہر کے بسانے کا خیال بھی ہمارے دلوں میں نہیں آ سکتا۔ مگر بہرحال ان دقتوں کی وجہ سے ہم وہاں جلسہ نہیں کر سکے کیونکہ آجکل سردی کا موسم ہے اور اس موسم میں بغیر اس کے کہ عمارتیں بنی ہوئی ہوں اور ہر قسم کے سامان مہیا ہوں جن سے انسان سردی سے بچ سکے کوئی اجتماع نہیں کیا جا سکتا اس لئے بڑے غور وفکر کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جلسہ سالانہ ان دنوں کی بجائے ایسٹر ہالیڈیز (EASTER HOLIDAYS) میں کیا جائے۔ ان دنوں چونکہ گرمی ہوتی ہے اس لئے رہائش کیلئے مکانوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر خدانخواستہ ان دنوں میں عمارتیں تعمیر کرنے کا کوئی انتظام نہ بھی ہوا تو ہم جنگل میں بستر بچھا کر یا جو چیز بھی میسر آئی نیچے بچھا کر سو رہیں گے اور دن کے وقت اپنی ہی چادریں پھیلا کر اور ان کے شامیانے بنا کر تقریریں کر لیا کریں گے اور اگر اُس وقت تک خدا تعالیٰ نے عمارتیں تعمیر کرنے کی کوئی صورت پیدا کر دی تو اس سے بہتر جس قدر بھی ہو سکا سامان مہیا کرنے کی کوشش کریں گے بہرحال جلسہ سالانہ ایسٹر کی تعطیلات میں ہوگا۔ اس جلسہ کے التوا سے جماعت احمدیہ لاہور نے فائدہ اُٹھا کر یہ فیصلہ کیا کہ ہم اس موقع پر اپنا جلسہ کر لیتے ہیں اور اُن کے ساتھ اس ارادہ کے نتیجہ میں بہت سی بیرونی جماعتوں کے افراد بھی آ گئے اور انہیں بھی اس اجتماع میں شامل ہونے کا موقع مل گیا۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں لاہور کی جماعت کو بھی ثواب مل گیا اور دوسرے لوگوں کو بھی ایک کی بجائے دو نیک تقریبوں میں شامل ہونے کا موقع مل جائے گا۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہمارا جلسہ سالانہ جو آئندہ ہوگا وہ ایسٹر ہالیڈیز میں ہوگا اور ہمارا ارادہ ہے کہ وہ اُسی جگہ کیا جائے جہاں ہم نیا مرکز بنانا چاہتے ہیں اس لحاظ سے وہ ہمارے نئے مرکز کا پہلا جلسہ ہوگا۔ اس لئے ان دوستوں کے ذریعہ جو بیرونجات سے آئے ہوئے ہیں یا جو جلسہ پر تو نہیں آ سکے لیکن اخبار کے ذریعہ ان تک آواز پہنچ سکتی ہے میں جماعت کے احباب کو

توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ وہ اس موقع پر زیادہ سے زیادہ جمع ہونے کی کوشش کریں۔ نئے مرکز میں ہمارا پہلا سالانہ جلسہ ہونے کی وجہ سے یہ خاص طور پر ایک دعائیہ جلسہ ہوگا تا اللہ تعالیٰ ہمارے وہاں رہنے کو بابرکت بنائے۔ ہمارے لئے بھی اور ہم سے بھی زیادہ اسلام اور سچائی کیلئے اور خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کیلئے۔ پس احباب جس قدر زیادہ اس جلسہ میں شامل ہوسکیں شامل ہوں بلکہ ابھی سے اس کیلئے تیاری شروع کر دیں لیکن احباب یہ بھی یاد رکھیں کہ اس سال وہاں کھانے کا سامان اکٹھا نہیں ہو سکا۔ آجکل غلّہ کی قلت ہے اور اس کی خرید پر گورنمنٹ کی طرف سے پابندیاں عائد ہیں جن کی وجہ سے ہم غلّہ جمع نہیں کر سکتے دوسرے غلّہ کی قیمت اتنی بڑھ گئی ہے کہ جماعت کے لئے اس کا خریدنا مشکل ہے اور پھر ایسے زمانہ میں جب کہ جماعت کی تمام دولت اور مال مشرقی پنجاب میں رہ گیا ہے غلّہ خریدنا آسان کام نہیں۔ ان مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اپنے زمیندار بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو اس سال جلسہ پر آئے یا وہ افراد جو جلسہ پر آئیں اپنے ساتھ تین تین سیر گیہوں یا آٹا فی کس کے حساب سے لیتے آئیں ان تین سیر میں سے ایک کھانا گیہوں یا آٹا لانے والے کا ہوگا اور ایک کھانا ایک ایسے شخص کا ہوگا جو غریب ہے یا شہری ہے اور باوجود کوشش کے اپنے ساتھ گیہوں یا آٹا نہیں لاسکتا۔ یعنی ڈیڑھ سیر فی کس کھانے کا اندازہ ہے۔ اُن تین سیر گیہوں یا آٹا میں سے ڈیڑھ سیر اُس فرد کا ہوگا اور ڈیڑھ سیر ایک اور شخص کا ہوگا جو خدا تعالیٰ کے دفتر میں اس کا مہمان لکھا جائے گا۔ اگر سب لوگ اس پر عمل کریں تو گندم اتنی کافی جمع ہو جائے گی جس سے جلسہ کے ایام بغیر کسی ایسی تکلیف کے جو منتظمین کیلئے ہو یا مہمانوں کیلئے ہو آسانی کے ساتھ گزر سکیں گے۔

اس موقع پر میں یہ بھی ذکر کر دینا چاہتا ہوں کہ اس جلسہ پر بھی عورتیں نہیں آ سکیں۔ اوّل تو اس لئے کہ یہ جلسہ لاہور کی جماعت کا تھا۔ کچھ عورتیں آئی ہیں مگر اتنی نہیں جتنی قادیان میں آیا کرتی تھیں۔ قادیان میں اگر جلسہ کے موقع پر تیس ہزار آدمی آتے تھے تو پندرہ ہزار کے قریب عورتیں ہوا کرتی تھیں اور جلسہ میں حاضری بھی ایسی ہی رہتی تھی۔ مجھے یاد ہے آخری جلسہ سالانہ میں ہم نے مردم شماری کرائی تو مردانہ جلسہ گاہ میں ستائیس ہزار مرد تھے اس کے مقابلہ میں عورتوں کی تعداد تیرہ ساڑھے تیرہ ہزار تھی۔ دوسری میٹنگ میں تیس اکتیس ہزار مرد تھے اور

اس کے مقابلہ میں پندرہ سولہ ہزار کے قریب عورتیں تھیں۔ گو پچھلے دو سال سے عورتیں جلسہ سالانہ میں حصہ نہیں لے رہیں لیکن جب جلسہ سالانہ اس جگہ پر جہاں ہمارا عارضی مرکز بنے گا قائم ہوگا تو عورتوں اور بچوں کو بھی اس میں آنے کی اجازت ہوگی۔ اگر جلسہ سالانہ سے پہلے کچھ عمارتیں تعمیر ہوگئیں تو عورتیں اور بچے ان میں گزارہ کرلیں گے اور مرد باہر میدان میں سو رہیں گے اور اگر مکانات تعمیر نہ ہوئے تو عورتوں اور بچوں کے لئے قناتیں لگا دی جائیں گی چونکہ گرمی کا موسم ہوگا اس لئے عورتیں پردے کے اندر گزارہ کرسکیں گی اور مرد باہر گزارہ کرلیں گے۔ بہرحال یہ ایک نہایت ہی خوش کن اور ایمان افزاء نظارہ ہوگا۔ خانہ کعبہ میں تو یہ نظارہ ہر سال نظر آتا ہے مکہ میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ سب لوگ آسانی کے ساتھ بسر کرسکیں۔ لوگ رات کو سڑکوں پر ہی سو رہتے ہیں۔ مکہ کا موسم چونکہ اتنا ٹھنڈا نہیں ہوتا اس لئے زیادہ تکلیف محسوس نہیں ہوتی لوگ سڑکوں اور میدانوں میں پڑے رہتے ہیں اور جن لوگوں کو کمرے مل جاتے ہیں وہ بھی ایک ایک کمرہ میں پچیس پچیس تیس تیس ہوتے ہیں اور بعض لوگ تو کمرے لے لیتے ہیں مگر ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ رات کو باہر سو گئے اور صبح اُٹھ کر سامان کمرہ میں رکھا اور تالا لگا دیا۔ اس جلسہ پر بھی یہی نظارہ نظر آئے گا۔ درحقیقت وہ ابتدائی سادگی جو انسانی فطرت میں پیدا کی گئی ہے وہی دنیا میں حقیقی امن پیدا کرسکتی ہے۔ جب تک لوگ تکلفات میں پڑے رہیں گے، جب تک لوگ ایسا طریق عمل تلاش کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے نہیں بنایا بلکہ انسانوں نے بنایا ہے اُس وقت تک حقیقی امن قائم نہیں ہوگا۔ حقیقی امن اُسی وقت قائم ہوگا جب انسان اپنی زندگی کو سادہ بنا کر ان چیزوں پر اکتفا کرے گا جو خدا تعالیٰ نے اس کیلئے بنائی ہیں یا نیچر نے اس کے لئے پیدا کی ہیں۔ تب ضرورت کے مطابق اسے چیزیں مل سکیں گی اور حسد اور کینہ جاتا رہے گا۔ لڑائیاں جاتی رہیں گی فتنے اور فساد مٹ جائیں گے اور لوگ امن اور پیار کی زندگی بسر کرسکیں گے۔

اسی طرح میں یہ بھی تحریک کرتا ہوں کہ لوگ اپنی اپنی جگہ جا کر دالیں بھی جمع کریں۔ یہ دالیں بطور چندہ کے ہونگی مگر یہ چندہ جلسہ سالانہ کے چندہ کے علاوہ ہوگا۔ یہ گویا نئے مرکز میں ہمارے پہلے جلسہ سالانہ کے انتظام کیلئے خاص چندہ ہوگا۔ ہر ایک شخص اپنی توفیق کے مطابق

جتنی دال دے سکتا ہے دے دے۔ دال ماش، چنا، مونگ اور مسور ثابت ہوں اور اگر چنے اور ماش ثابت بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں اگر یہ چیزیں دو تین ماہ پہلے آ جائیں تو دال تیار کرائی جاسکتی ہے۔ تھوڑی تھوڑی چیز جمع کر کے اتنی کافی ہو جاتی ہے کہ اس سے کام چل سکتا ہے۔

میں ایک اور تحریک بھی کرنا چاہتا ہوں اِس وقت ربوہ میں چیزیں ویسی ہی سستی ہیں جیسے گاؤں میں سستی ہوا کرتی ہیں لیکن جونہی وہاں قصبہ بنے گا لوگ چیزوں کو گراں کرنا شروع کر دیں گے جس وقت ہمارے آدمی وہاں گئے ہیں روپے کا چار پانچ سیر دودھ ملتا تھا مگر جوں ہی وہاں پچاس ساٹھ خیمے لگائے گئے دودھ مہنگا ہو گیا۔ اب وہاں روپے کا تین سیر دودھ ملتا ہے۔ اگر وہاں قصبہ بن گیا تو وہی لاہور والا حساب ہو جائے گا یعنی دودھ پونے دو سیر فی روپیہ کے حساب سے ملے گا۔ پس ایسے علاقوں کے لوگ جہاں بھینسیں کثرت سے پالی جاتی ہیں یا وہ لوگ جن کے پاس بھینسیں ہوں انہیں اِس طرف توجہ کرنی چاہئے۔ ایسے لوگ جن کے پاس بھینسیں ہوتی ہیں وہ بسا اوقات خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کیلئے صدقے بھی دیتے رہتے ہیں جس میں بھینسیں وغیرہ دے دیتے ہیں۔ پس وہ لوگ جن کے پاس بھینسیں ہوں یا جن کے دل میں خدا تعالیٰ یہ ڈالے کہ ایک بے آب و گیاہ جگہ میں رہنے والے لوگ خدا تعالیٰ کے فضل کو دودھ کی شکل میں پئیں اُن کو میں یہ تحریک کرتا ہوں کہ وہ ایسی بھینسیں جو کارآمد ہوں اور دودھ دینے والی ہوں مرکز کو ھدیۃً پیش کریں۔ میرا خیال ہے کہ وہاں جانے سے پہلے وہاں اتنی بھینسیں جمع کر دی جائیں کہ ہمیں اِردگرد کے علاقہ سے دودھ نہ خریدنا پڑے اور علاقہ میں اشیاء کی قیمتیں بِلا وجہ گراں نہ ہو جائیں۔

میں نے ربوہ میں عمارتیں تعمیر کرنے کیلئے یہ تحریک کروائی تھی کہ کاریگر اپنا نام پیش کریں چنانچہ کئی سَو لوہار، بڑھئی اور دوسرے کاریگروں کی درخواستیں آ گئی ہیں۔ ایسے لوگوں سے اگر وہ یہاں ہوں (اگر وہ یہاں نہیں ہیں تو اُن کو اطلاع دے دی جائے) میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ پابہ رکاب رہیں۔ مرکز کی طرف سے جس وقت انہیں اطلاع ملے فوراً وہاں پہنچ جائیں اور کام شروع کر دیں۔ ہمارے لئے ایک ایک دن نہایت قیمتی ہے اور ایک ایک دن کی دیر ہمارے لئے مُضر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں تعمیر کی اجازت دلا دے فوراً ہی ہمیں سینکڑوں معمار،

بڑھئی اور درجنوں لوہار اور دوسرے پیشہ ور درکار ہوں گے جو وہاں عارضی طور پر رہنا چاہیں یا مستقل طور پر رہائش اختیار کرنا چاہیں۔ عارضی وہ جو وہاں رہائش اختیار کرنا نہیں چاہتے اور مستقل وہ جن کا یہ ارادہ ہو کہ وہ وہیں بس جائیں۔

ربوہ کی زمین کے متعلق بعض غلط فہمیاں بھی پیدا ہوگئی ہیں جن کے متعلق میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ربوہ ہم نے اس زمین کا نام رکھا ہے جو نیا شہر بسانے کیلئے گورنمنٹ سے خریدی گئی ہے۔ ابھی تک ہمیں وہاں عمارت بنانے کی اجازت نہیں ملی جو زمین ذاتی ہو اُس پر ہر وقت عمارتیں تعمیر کی جا سکتی ہیں مگر جو زمین گورنمنٹ سے خریدی گئی ہو اُس کا نقشہ جب تک حکومت پاس نہ کرے کسی قسم کی تعمیر کی اجازت نہیں ہوتی۔ پس بوجہ گورنمنٹ کی زمین ہونے کے جب تک نقشہ کی منظوری نہ ملے ہم وہاں کوئی عمارت نہیں بنا سکتے۔ یہ زمین جو خریدی گئی ہے اس کے متعلق لوگوں میں مختلف قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں مثلاً بعض لوگوں نے زمین کی قیمت بھجوائی لیکن اس قیمت پر انہیں زمین نہیں دی گئی۔ اس کی پہلے بھی وضاحت کی گئی تھی اور اب بھی اُس کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں۔ مؤمن کا ذہن تیز اور اُس کی عقل صاف ہونی چاہئے کیونکہ مؤمن کے سپرد جتنا کام ہوتا ہے وہ اگر کند ذہنی سے کام لے تو وہ اس کو پورے طور پر سرانجام نہیں دے سکتا۔ مؤمن کا ذہن اتنا تیز ہونا چاہئے کہ وہ سنتے ہی بات کو سمجھ جائے۔

ربوہ کے متعلق جو پہلے اعلان کیا گیا تھا یہ تھا کہ ۵۰۰ کنال تک زمین کی قیمت سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے لی جائے گی اور پندرہ اکتوبر تک لی جائے گی۔ اس اعلان کے یہ صاف معنی تھے کہ ۵۰۰ کنال تک زمین کی قیمت ایک سَو روپیہ فی کنال ہوگی یا پندرہ اکتوبر تک زمین کی قیمت ایک سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے لی جائے گی۔ اب اگر پندرہ اکتوبر تک ۵۰۰ کنال زمین پوری فروخت نہ ہوتی تب بھی یہ تاریخ گزرنے پر قیمت بدل جاتی اور اگر پندرہ اکتوبر سے پہلے ۵۰۰ کنال زمین ختم ہوتی تب بھی قیمت بدل جاتی اِس قسم کی عبارت کے ہمیشہ یہ معنی ہوا کرتے ہیں کہ ان دونوں میں سے جو چیز بھی پہلے ختم ہو جائے گی اُس کے ساتھ ہی قیمت بھی ختم ہو جائے گی۔ اگر ۵۰۰ کنال پندرہ اکتوبر تک بکے تو پندرہ اکتوبر تک تو وہ زمین ایک سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے مل جائے گی لیکن اس تاریخ کے بعد اِسی نرخ پر زمین نہیں ملے گی اسی

طرح اگر ۵۰۰ کنال ختم ہو جائے اور مقررہ تاریخ میں خواہ پندرہ دن باقی ہوں تو چونکہ رقبہ ختم ہو گیا اس لئے باقی دنوں میں زمین اسی قیمت پر نہیں ملے گی۔ مگر دوستوں نے اس اعلان کو نہ سمجھا وہ سمجھتے رہے کہ انہیں لازمی طور پر ۱۵/ اکتوبر تک ایک سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے زمین ملے گی پس جن لوگوں کو بتایا گیا کہ وہ زمین جس کے متعلق یہ اعلان کیا گیا تھا کہ وہ ایک سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے ملے گی وہ ختم ہوگئی ہے اور اب اس نرخ پر زمین نہیں مل سکتی تو انہوں نے اعتراض کرنے شروع کر دیئے لیکن یہ درست نہیں یہ دونوں چیزیں بہ یک وقت اخبار میں شائع شدہ موجود ہیں یعنی ۵۰۰ کنال ایک سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے دی جائے گی اور پندرہ اکتوبر تک ملے گی۔ اس زمین کو بعد میں ۸۰۰ کنال بھی کر دیا گیا مگر وہ ۸۰۰ کنال بھی ۶ یا ۷/ اکتوبر تک ختم ہوگئی اور اس کے بعد جو درخواستیں موصول ہوئیں وہ ردّ کر دی گئیں لیکن بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے وہ اتنی وضاحت کے باوجود اتنے بھولے پن سے جواب دیتے ہیں کہ اگر نظام کا سوال نہ ہوتا تو شاید اُن کے بھولے پن کی وجہ سے میں صدر انجمن احمدیہ کو مشورہ دیتا کہ اُن کو اِسی قیمت پر زمین دے دی جائے۔

کہتے ہیں کہ جہانگیر بادشاہ نے نور جہاں کے ہاتھ میں دو کبوتر دے کر کہا کہ انہیں پکڑے رکھنا چھوڑنا نہیں اور خود کسی کام کیلئے چلا گیا۔ نور جہاں ابھی بچی تھی اس کے ہاتھ سے اتفاقاً ایک کبوتر اُڑ گیا۔ جہانگیر واپس آیا تو اُس نے نور جہاں سے پوچھا کہ دوسرا کبوتر کہاں گیا؟ اس نے جواب دیا اُڑ گیا ہے۔ جہانگیر نے پوچھا کس طرح؟ نور جہاں نے دوسرا کبوتر اپنے ہاتھ سے چھوڑتے ہوئے کہا کہ اس طرح۔ کہتے ہیں جہانگیر کا نور جہاں سے عشق یہیں سے شروع ہوا تھا۔ اِس واقعہ میں کوئی حقیقت ہو یا نہ ہو بہرحال بعض لوگوں کی سادگی ایسی انتہاء تک پہنچ گئی ہے کہ اگر نظام کا سوال نہ ہوتا تو شاید میں انہیں اسی قیمت پر زمین دے دینے کی سفارش کر دیتا۔ بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ ہم نے تو روپیہ ۱۴/ اکتوبر کو بھیج دیا تھا دفتر والوں نے انہیں یہ جواب دیا کہ ۸۰۰ کنال زمین ختم ہوگئی ہے اور اب اِس قیمت پر زمین نہیں مل سکتی اب زمین کا نرخ دوسَو روپیہ فی کنال ہے اگر آپ اِس قیمت پر زمین لینا چاہیں تو زمین مل سکتی ہے مگر آپ جلدی اطلاع دیں کہ آیا آپ کے لئے ایک سَو روپیہ میں ۱۰ مرلہ زمین وقف کر دی جائے

یا آپ اور روپیہ بھیج دیں گے تا آپ کے نام پر پوری ایک کنال زمین ریزرو کر دی جائے۔ بجائے اس کے کہ وہ دفتر والوں کو اطلاع دیتے کہ ان کے لئے دس مرلہ زمین ہی ریزرو کر دی جائے یا وہ ایک سَو روپیہ اور بھیج دیں گے اور ان کے نام پر ایک کنال زمین ریزرو کر دی جائے اُنہوں نے بحث جاری رکھی اور مجھے لکھنا شروع کر دیا کہ حضور نے فرمایا تھا کہ ۱۵ / اکتوبر تک زمین ایک سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے دی جائے گی ہم نے ۱۵ / اکتوبر سے پہلے روپے ارسال کر دیئے تھے پھر ہمیں زمین سَو روپیہ پر کیوں نہیں ملتی؟ اور اس عرصہ میں وہ دوسَو روپیہ کنال والی زمین بھی ختم ہوگئی اور دفتر والوں نے انہیں لکھا کہ اب زمین کی قیمت تین سَو روپیہ فی کنال ہے اگر آپ پچاس روپیہ اور بھیج دیں تو آپ کیلئے دس مرلہ زمین ریزرو ہو سکتی ہے اور اگر آپ مزید روپیہ نہیں بھیجنا چاہتے تو اپنا روپیہ واپس لے لیں کیونکہ دس مرلہ سے کم زمین نہیں مل سکتی۔ اس پر انہوں نے یہ لکھنا شروع کر دیا کہ ابھی تو آپ دوسَو روپیہ پر ایک کنال زمین دے رہے تھے اور اب آپ لکھ رہے ہیں کہ زمین تین سَو روپیہ پر ملے گی ہمیں دوسَو روپیہ فی کنال کے حساب سے زمین لینی منظور ہے۔ پھر وہ ایسی بحث میں مشغول رہے اور زمین کی قیمت ۵۰۰ سَو روپیہ فی کنال ہوگئی اور انہیں لکھ دیا گیا کہ اب زمین کی قیمت پانچ سَو روپیہ فی کنال ہے اگر آپ زمین لینا چاہتے ہیں تو اور روپیہ بھیج دیں ورنہ آپ اپنی رقم واپس لے سکتے ہیں۔ اُنہوں نے لکھا کہ ابھی تو آپ تین سَو روپیہ پر ہمیں ایک کنال دے رہے تھے اور اب آپ کہتے ہیں کہ زمین کی قیمت پانچ سَو روپیہ فی کنال ہوگئی ہے۔ ہمیں تین سَو روپیہ پر ایک کنال منظور ہے۔ آپ ہمیں اِسی قیمت پر زمین دے دیں۔ غرض ان کے بھولے پن کی وجہ سے زمین کی قیمت ایک سَو روپیہ سے پانچ سَو روپیہ فی کنال ہوگئی اور ابھی قیمتیں یقیناً اور بڑھیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ قلیل سے قلیل حیثیت کا قصبہ بھی پچیس تیس لاکھ روپیہ کے بغیر تعمیر نہیں ہو سکتا اور یہ ایسی عمارتیں ہونگی جو سارے قصبہ کے کام آئیں گی۔ اب یہ صاف بات ہے کہ یہ روپیہ کوئی ایک شخص نہیں دے گا بلکہ یہ خرچ تمام قصبہ پر پڑے گا۔

قادیان کے لوگوں کی تکالیف کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے زمین کا کافی رقبہ اُن لوگوں کیلئے مخصوص کر دیا تھا تاکہ جو نئے مرکز میں مکان کیلئے زمین لینا چاہیں وہ ایک سَو روپیہ فی کنال

کے حساب سے لے لیں اور کچھ لوگوں کو زمین مفت بھی دی گئی ہے کیونکہ بعض لوگ اتنے غریب تھے کہ وہ ایک سَو روپیہ کنال کے حساب سے بھی زمین نہیں خرید سکتے تھے۔ زمین کا سارا رقبہ جو قابل عمارت ہے وہ چار ہزار کنال ہے۔ اس میں سے دو ہزار کنال تو ایسی عمارتوں کے لئے ہے جو جماعتی عمارتیں ہیں مثلاً مساجد ہیں، کالج ہے، مقبرے ہیں، عید گاہ ہے، دفاتر ہیں، ہسپتال ہے۔ ان پر نصف کے قریب زمین خرچ ہو جائے گی۔ باقی دو ہزار کنال زمین رہ جاتی ہے اب اگر اس دو ہزار کنال زمین کو سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے بیچیں تو صرف دو لاکھ روپیہ مل سکتا ہے پچیس لاکھ روپیہ نہیں مل سکتا اور اگر یہ زمین پانچ سَو روپیہ فی کنال کی اوسط پر بِکے تو دس لاکھ روپیہ مل سکتا ہے لیکن اگر صحیح طور پر بھی خرچ کیا جائے تو نیا قصبہ بنانے پر کم سے کم ۲۵ لاکھ روپیہ صرف ہونا چاہئے۔ ہم نے کچی عمارتیں بنانے کا فیصلہ کیا ہے تب بھی ہمارا خرچ کا اندازہ ۱۳ لاکھ روپیہ ہے اور یہ صاف بات ہے کہ اگر زمین ۵۰۰ سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے بِکے تب بھی اس سے ۱۳ لاکھ روپیہ نہیں آ سکتا۔ اگر اوسط قیمت چھ سَو روپیہ فی کنال ہو پھر کہیں ۱۲ لاکھ روپیہ آ سکتا ہے اور اگر ساڑھے چھ سَو روپیہ فی کنال ہو تو پھر تیرہ لاکھ روپیہ آ سکتا ہے۔ اب چونکہ قریباً ایک ہزار کنال تو ایک سَو روپیہ فی کنال کے نرخ پر ہی بِک گئی ہے اس لئے اس کے یہ معنی ہیں کہ باقی زمین کی قیمت اتنی بڑھائی جائے کہ دس بارہ لاکھ روپیہ مل جائے اور یہ روپیہ آ نہیں سکتا جب تک کہ زمین ہزار ڈیڑھ ہزار روپیہ فی کنال کے حساب سے نہ بِکے۔ ہمارے لئے اِس وقت دو ہی راستے ہیں یا تو یہ کہ یہ رقم ہم خریداروں سے لیں اور یا یہ کہ بطور چندہ جماعت سے اکٹھی کریں۔ اب یہ صاف بات ہے کہ باقی لوگوں کے لئے کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ اس کے لئے چندہ دیں۔ وہ لوگ کہیں گے کہ یہ چیزیں تو مقامی ضرورتوں کیلئے ہیں جب ہم وہاں نہیں رہتے تو ہم چندہ کیوں دیں۔ بے شک ایسے مخلص لوگ بھی ہونگے جو چندہ دیں گے مگر اخلاقی طور پر وہ اس سوال کا حق رکھتے ہیں کہ وہ کیوں چندہ دیں۔ بہرحال اخراجات کا بیشتر حصہ انہی لوگوں پر پڑے گا جو وہاں آباد ہونگے اور یہ اسی طرح ہی ہو سکتا ہے کہ زمین کی قیمت پانچ سَو، سات سَو، ایک ہزار بلکہ ڈیڑھ ہزار روپیہ فی کنال کر دی جائے۔ پس جن لوگوں نے وہاں مکانات بنانے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ بحث چھوڑیں اور جلدی سے رقبہ

محفوظ کرالیں۔ مجھے ابھی تک خط آ رہے ہیں کہ ہمیں دوسَو روپیہ یا تین سَو روپیہ پر زمین دے دی جائے حالانکہ کچھ عرصہ کے بعد پانچ سَو روپیہ فی کنال کے حساب سے بھی زمین نہیں مل سکے گی۔ اگر یہ لوگ بحث ہی کرتے رہے تو وہ موجودہ نرخ پر زمین خریدنے سے بھی محروم رہ جائیں گے۔ ہم ربوہ کی آبادی کے لئے عمارتی سامان بھی اکٹھا کر رہے ہیں کیونکہ عقل یہ چاہتی ہے کہ عمارتوں کی تعمیر پر کم سے کم خرچ ہو اور ہم اِس کام کو تنظیم کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ایسے نقشے تیار کروا رہے ہیں جن کے مطابق مکان سستے سے سستا بن سکے۔ ہم نے انجینئروں کو ہدایتیں دی ہیں کہ مختلف ممالک میں جو نئی ترکیبیں مکانات بنانے کی نکلی ہیں اُن کے مطابق اور مختلف انجینئروں سے مشورہ کرنے کے بعد وہ طریق دریافت کریں جس سے مضبوط اور صحت افزاء مکانات کم سے کم خرچ میں تیار ہو سکیں۔ اِس وقت تک جو ہم نے اندازہ لگایا ہے اُس کے مطابق مکان اگر تین کمروں کا ہو اور اُس کے ساتھ برآمدہ، پاخانہ[1]، باورچی خانہ اور چاردیواری ہو، بنیادیں پکی ہوں اور عمارت کچی ہو تو اکتیس سَو روپیہ میں بن سکتا ہے۔ اِس سے گھٹیا درجہ کے مکان کا اندازہ اس سے کم ہے۔ ہمارا آخری اندازہ یہ ہے کہ ایک معمولی مکان جس میں دو تین کمرے ہوں سات آٹھ سَو روپیہ میں بن سکتا ہے۔ آجکل چیزیں بہت گراں ہیں اور انہیں حاصل کرنا اور بھی مشکل ہے لیکن پھر بھی بعض صورتوں میں تو ہمارا اندازہ ہے کہ دو کمرے والا مکان غالباً چار پانچ سَو روپیہ میں ہی بن جائے گا۔ یہی روپیہ جو ربوہ کی قیمت کے طور پر آیا ہے اس سے ہم نے سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہمیں جہاں جہاں سامان کا پتہ چلتا ہے ہم اُسے خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک ایروڈرام کی عمارتیں نیلام ہو رہی تھیں اُس کا سامان ہم نے خرید لیا ہے اس میں سینکڑوں بالے، روشندان، کھڑکیاں اور دروازے وغیرہ ہیں۔ اگر وہ سامان بازار سے خریدا جاتا تو وہ پندرہ سولہ ہزار میں بھی نہیں مل سکتا تھا۔ اِسی طرح لکڑی اور لوہے کا سامان حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ پس وہ لوگ جو چاہتے ہوں کہ ربوہ میں مکان بنوانے کا کام فوراً شروع کرا دیں تو وہ خزانہ میں روپیہ جمع کرا دیں تا جب بھی سامان خریدا جائے، انہیں اصل لاگت پر مہیا کر دیا جائے۔ صرف پانچ فیصدی مرکزی اخراجات کے لئے ان سے لیا جائے گا اور کوئی نفع نہیں لیا جائے گا۔

ربوہ میں مکانات بنوانے کے متعلق بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس کی مدت بہت کم رکھی گئی ہے۔ اخبار الفضل میں اس کے متعلق اعلان ہونے پر مختلف لوگوں کی طرف سے مختلف قسم کے سوالات کئے گئے ہیں۔ جن کے جوابات بھی دیئے گئے تھے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اُن کے متعلق پھر کچھ کہہ دوں۔

قریب میں ہی مجھے ایک رؤیا ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسی بات ہے جو بہت سے لوگوں کے دلوں میں ابھی تک قائم ہے۔ دو تین دن کی بات ہے مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ کوئی دوست آئے ہیں اُس وقت میری جیب میں بہت سی قلمیں ہیں جن میں سے کچھ کانے کی ہیں اور کچھ فاؤنٹین پن ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اُس دوست کو تبرک کے طور پر کچھ دوں۔ چنانچہ میں نے چاہا کہ کانے کی خوبصورت قلمیں جو میری جیب میں ہیں اُن میں سے کچھ اُسے بطور تبرک کے دے دوں۔ میں نے جب انہیں جیب میں سے نکال کر دیکھا تو وہ ٹوٹی ہوئی تھیں۔ میں اپنے ذہن میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اُسے صرف بطور تبرک کے کچھ چاہئے اور جو چیز بطور تبرک دی جاتی ہے اس کے لئے صرف یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ جسم کے ساتھ چھوئی ہوئی ہو یا کچھ عرصہ ساتھ رہی ہو۔ اس کا سلامت ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں نے کہا کہ یہی بطور تبرک دے دیتا ہوں۔ ان لوگوں میں جو میرے سامنے کھڑے ہوئے ہیں ڈاکٹر عبدالحق صاحب ڈینٹسٹ (DENTIST) بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ نے ربوہ میں مکانات بنانے کے لئے جو شرط لگا دی ہے کہ دو ماہ کے اندر اندر بنائے جائیں اِس پر کیسے عمل ہو سکتا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اخبار میں چھ ماہ کے اندر مکان تعمیر کرنے کا اعلان ہوا تھا مگر ہو سکتا ہے کہ کہیں دو ماہ بھی لکھا گیا ہو۔ مجھ سے بعض لوگوں نے بیداری میں بھی دو ماہ کی ہی مدت کا ذکر کیا ہے بہرحال ڈاکٹر صاحب خواب میں مجھ سے یہی کہتے ہیں۔ میں انہیں کہتا ہوں اصل چیز تو یہ ہے کہ ہمیں مکان بنانے کی نیت کر لینی چاہئے۔ پھر اس میں جو مشکلات پیش آئیں گی وہ سب کیلئے ہونگی۔ چھ ماہ کی مدت تو اس لئے رکھی گئی ہے تا جماعت کے اندر ایک بیداری پیدا ہو جائے اور وہاں جلد آبادی ہو جائے۔ اس خیال کی وجہ سے کہ کوئی شخص اس عرصہ میں مکان کیسے تعمیر کرے گا ربوہ میں زمین خریدنے سے اُسے نہیں رُکنا چاہئے۔ اس رؤیا سے معلوم ہوتا ہے کہ

بہت سے لوگوں کے دلوں میں ایسا خیال پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے مجھے یہ رؤیا ہوئی ہے۔ یہ سیدھی بات ہے کہ جو مشکلات ان کے سامنے پیش آئیں گی وہ ساروں کے لئے ہونگی اگر وہ ناقابل برداشت ہونگی تو صرف اُن کیلئے ہی ناقابل برداشت نہیں ہونگی بلکہ سب کے لئے ناقابل برداشت ہونگی اور اگر قابل حل ہوئیں تو جیسے باقی حل کر لیں گے وہ بھی حل کر لیں۔ بہرحال یہ سیدھی بات ہے کہ کوئی شخص کسی سے ناممکن کام نہیں کرا سکتا جو مشکلات پیش آئیں گی انہیں حل کرنے کی کوشش کی جائے گی کیونکہ یہ عقل کے خلاف ہے کہ سلسلہ جماعت کے دوستوں کو اُس کام کے کرنے پر مجبور کرے جس کا کرنا ان کے لئے ناممکن ہو۔

اب میں اس کے متعلق ایک سوال لیتا ہوں جو بعض لوگوں کے دلوں میں وساوس پیدا کر رہا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ربوہ کی زمین کے متعلق مختلف قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں اور لوگوں میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ اگر قادیان ہمیں واپس مل جانا ہے تو پھر ایک نیا شہر آباد کرنے کی ضرورت کیا ہے ایک نئے شہر کا آباد کرنا بتاتا ہے کہ ہمیں قادیان کے واپس ملنے کے متعلق شُبہ ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جماعت کے اندر کچھ منافقین پائے جاتے ہیں جو آہستہ آہستہ جماعت کے اندر وساوس پیدا کرتے رہیں گے وہ کہتے ہیں دیکھو! اگر قادیان کے واپس مل جانے کا ہمیں یقین ہوتا تو کسی اور شہر کے بسانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دوسری جگہ ایک نیا شہر آباد کرنے کی کوشش کرنا وہاں سکول اور کالج وغیرہ بنانا اور دوسرے لوگوں کو وہاں آباد ہونے کی تحریک کرنا بتاتا ہے کہ انہیں یہ یقین ہے کہ قادیان واپس نہیں ملے گا۔ اس اعتراض کے میں چند جواب دیتا ہوں۔

**اوّل** میرے یا کسی اور کے دل کے وسوسہ کا یہاں سوال نہیں۔ سوال یہ ہے کہ میرے ساتھ کسی کو عداوت ہو یا خلافت کے ساتھ کسی کو اختلاف ہو یا تنظیم سے کسی کو اختلاف ہو تو ایک اور بات ہے مگر جو شخص احمدی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تو کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہمارا مرکز دائمی طور پر قادیان مقرر فرمایا ہے۔ اب یہ جو آپ نے فرمایا ہے اس میں کسی جھوٹ کا امکان نہیں ہو سکتا نہ میرے وسوسے، میری کمزوری یا نظام کی کسی غلطی کی وجہ

سے یہ بات غلط ہوسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص احمدیت پر یقین رکھتا ہے اگر کوئی شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے دعویٰ میں سچا مانتا ہے تو اسے میری دشمنی کی وجہ سے خلافت یا تنظیم سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے یہ حق تو نہیں ہوسکتا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی میں شُبہ کرے کیونکہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھتا ہے پھر میں ایسے شخص سے جو یہ خیال کرتا ہے کہ چونکہ ہم اپنا مرکز ایک نئے مقام پر بنانے لگے ہیں اس لئے ہمیں قادیان کے واپس ملنے کی امید نہیں ہے دریافت کرتا ہوں کہ جب حکومت ریلیں بناتی ہے، نہریں بناتی ہے یا کوئی اور بڑا کام کرتی ہے تو وہ عارضی عمارتیں بناتی ہے یا نہیں؟ ہم نے تو کئی جگہ پر دیکھا ہے کہ جب بھی حکومت کوئی بڑا کام کرتی ہے وہ لاکھوں کی عمارتیں کھڑی کر دیتی ہے۔ لائیڈ بیراج کے وقت بھی لاکھوں کی عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ اب جب دریائے سندھ کا بند ٹوٹا ہے میں کوئٹہ سے واپس آیا تو راستہ میں پھونس کے چھپر سینکڑوں کی تعداد میں بنے ہوئے تھے ان میں مزدور رہتے تھے اور وہ بند کی مرمت کرتے تھے۔ پس جب عارضی کام کے لئے کئی عمارتیں بنائی جاتی ہیں اور اُن پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تو اس پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی تھی اُس وقت آپ نے خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ اے خدا! میں یہ گھر اس لئے بناتا ہوں کہ اس کے ساتھ تعلق رکھنے والا ایک شخص پیدا ہو جو تیرا نبی ہو اور وہ تیری آیات پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سنائے، تیری کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کا تزکیۂ نفوس کرے۔ اِس دعا کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو قائم کیا اور وہاں اپنی اولاد کو بسایا۔ اس دعا کے سَو سال بعد تک وہ آدمی نہیں آیا جس کے لئے دعا کی گئی تھی لیکن عربوں نے اپنے یقین کو نہ چھوڑا اور انہوں نے سمجھا کہ وعدۂ ابراہیمی ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ دوسَو سال گزرنے کے بعد بھی وہ نبی نہ آیا۔ پھر بھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ پیشگوئی غلط ثابت ہوئی۔ تین سَو، چار سَو بلکہ پانچ سَو سال گزرنے کے بعد بھی کسی نے اس پیشگوئی کے پورا ہونے میں شک نہیں کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا فاصلہ ساڑھے بائیس سَو سال کا ہے بلکہ بعض روایات کے مطابق پچیس یا چھبیس سَو سال کا فاصلہ ہے۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشگوئی آپ

کے بعد اڑھائی ہزار سال گزرنے تک بھی پوری نہ ہوئی۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ساڑھے بائیس سَو سال کا عرصہ ہی سمجھ لیا جائے تب بھی اتنے لمبے عرصہ میں کتنی چیزیں غائب ہو جاتی ہیں۔ اتنا لمبا عرصہ گزرنے کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پیدا ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا پوری ہوئی کہ اے خدا! تو اُن میں اپنا رسول مبعوث فرما جو تیری آیات پڑھ پڑھ کر انہیں سنائے، انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور اُن کا تزکیہ نفوس کرے۔ اتنے سالوں تک انتظار کرنے میں خواہ عرب مکہ میں رہے یا باہر بہرحال ان کے اندر کوئی مایوسی پیدا نہیں ہوئی۔ پھر یہ کونسی عقل کی بات ہے کہ ہم ایک سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد ہی مایوس ہو جائیں اور خیال کرلیں کہ قادیان ہمیں واپس نہیں ملے گا۔ محض خیال کر لینا کہ چونکہ ایک سال کا عرصہ گزر گیا ہے اور ہمیں قادیان نہیں ملا اس لئے اب ہمیں اس کے واپس ملنے کی کوئی امید نہیں، قطعی طور پر غلط ہے ہمیں امید تو یہی ہے کہ قادیان ہمیں واپس مل جائے گا مگر کیا احمدی اتنے گرے ہوئے ہیں کہ وہ کچھ مدت کا انتظار بھی نہیں کر سکتے۔ پس ہم نے جو نیا مرکز بنانا ہے یہ مایوسی کی وجہ سے نہیں بلکہ درمیان اور عارضی زمانہ کے لئے بھی لوگ کام کیا کرتے ہیں اس لئے ہم نے بھی یہ کام کیا ہے۔

**دوسرا جواب** یہ ہے کہ کیا پیشگوئی کرنے والا جھوٹا ہے اور کیا اس کی یہی ایک پیشگوئی ہے یا اس کی صداقت کے اور بھی نشانات ہیں؟ آخر ہم میں سے بعض نے یہ خیال کیوں کرلیا کہ ہمیں قادیان واپس نہیں ملے گا یا وہ کیوں کہتے ہیں کہ ہمیں قادیان کے واپس ملنے میں شُبہ ہے اس کی دو ہی وجہیں ہیں۔ اوّل اس لئے کہ ایک سال ہو گیا ہے مگر ہمیں قادیان واپس نہیں ملا اس کے جواب میں میں نے یہ دلیل دی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے متعلق جو پیشگوئی کی اس کے بعد ساڑھے بائیس سَو سال تک وہ شخص نہ آیا جس کے متعلق آپ نے پیشگوئی کی تھی مگر عربوں کو اس کے پورا ہونے میں کوئی شُبہ نہ گزرا۔ پھر قادیان کے واپس ملنے میں ہمیں شُبہ کیوں ہو۔ دوسرا جواب میں نے یہ دیا ہے کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ اکیلی پیشگوئی ہے یا کوئی اور بھی ہے اگر آپ کی اور بھی پیشگوئیاں ہیں اور وہ پوری ہوگئی ہیں تو یہ پوری کیوں نہیں ہوگی۔ اگر یہ ایک پیشگوئی ہوتب تو یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ ممکن ہے ہمیں قادیان واپس نہ ملے

لیکن جب آپ کی سینکڑوں اور ہزاروں پیشگوئیاں پوری ہوکر لوگوں کی حیرت کا موجب ہوئیں تو ہمیں کیسے شُبہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوگی۔ان حیرت انگیز انکشافات کو پورا ہوتے دیکھ کر جو آپ پر ظاہر ہوئے ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوگی بلکہ یہ یقینی اور قطعی بات ہے کہ یہ پیشگوئی بھی ضرور پوری ہوگی اور ہم یہ شُبہ نہیں کر سکتے کہ ہمیں قادیان واپس نہیں ملے گا۔

قادیان میں کئی لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آتے تھے اور آپ سے کہتے تھے کہ آپ کوئی معجزہ دکھائیں۔ مجھے خوب یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ جو معجزے پہلے دکھائے جا چکے ہیں اُن سے آپ نے کیا فائدہ اُٹھایا ہے؟ آخر پہلے جو معجزے دکھائے گئے ہیں آپ ان کے متعلق غور کریں کہ وہ صحیح تھے یا نہیں۔اگر وہ غلط تھے تو پھر میرا جھوٹا ہونا ثابت ہوگیا ایسی صورت میں مجھ سے اور معجزات مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر پہلے جو معجزات دکھائے گئے تھے وہ سچے تھے تب بھی نئے معجزات تمہارے لئے فائدہ مند نہیں ہو سکتے کیونکہ جب آپ نے پہلے معجزات سے فائدہ نہیں اُٹھایا تو اب نئے معجزات سے تم کیا فائدہ اُٹھاؤ گے۔ یہی جواب میں قادیان کے متعلق دیتا ہوں۔قادیان کے واپس ملنے کے متعلق ہمیں شُبہ تب پڑ سکتا تھا جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی اور پیشگوئی نہ ہوتی۔ اگر آپ کی اور بھی پیشگوئیاں اور نشانات ہیں جو اپنے اپنے وقت پر پورے ہوئے جنہوں نے قطعی اور یقینی طور پر ثابت کر دیا کہ آپ سچے رسول ہیں تو آپ کی ایک پیشگوئی کے متعلق ہم کیسے شُبہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں ہم جنہوں نے آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ہم صرف آپ کو دیکھ کر ہی جانتے ہیں کہ آپ سچے تھے جھوٹے نہیں تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ فرمایا اُس وقت حضرت ابوبکرؓ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔آپ جب واپس مکہ میں آئے تو رستہ میں ایک دوست کے ہاں آرام کرنے کیلئے ٹھہر گئے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مئی کے مہینہ میں دعویٰ نبوت فرمایا تھا اور چونکہ سخت گرمی کا موسم تھا آپ نے بجائے گھر جانے کے مناسب خیال کیا کہ آپ اپنے دوست کے ہاں دوپہر کاٹ لیں۔آپ ابھی اپنے دوست کے گھر بیٹھے ہی تھے کہ اُس کی ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی ہائے تیرا دوست تو پاگل

ہو گیا ہے۔ آپ نے پوچھا کون؟ کہنے لگی! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے پوچھا اُسے کیا ہوا؟ اس لونڈی نے جواب دیا۔ وہ کہتا ہے کہ مجھ سے خدا تعالیٰ کلام کرتا ہے اور مجھ پر فرشتے اُترتے ہیں۔ آپ نے فوراً اپنی چادر سنبھالی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے دوست نے اصرار کیا کہ گرمی زیادہ ہے دوپہر کا وقت ہے ذرا آرام کر لیں مگر آپ نے فرمایا اب میں ٹھہر نہیں سکتا۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر تشریف لائے اور دستک دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کھولا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب آپ کو دیکھا تو دیکھتے ہی کہا۔ میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ کیا آپ نے یہ کہا ہے کہ مجھ پر فرشتے اُترتے ہیں اور خدا تعالیٰ مجھ سے کلام کرتا ہے؟ چونکہ مکہ میں ایک شور پڑا ہوا تھا اور حضرت ابوبکرؓ آپ کے پُرانے دوست تھے آپ نے خیال کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُسے ٹھوکر لگ جائے۔ آپ نے فرمایا۔ ابوبکر بات یہ ہے کہ...... آپ تشریح کر کے اپنا دعویٰ بتانے لگے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ میں یہ نہیں سننا چاہتا۔ آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ کیا آپ نے کہا ہے کہ مجھ پر فرشتے اُترتے ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا ابوبکر! جلال میں کیوں آتے ہو بات تو سنو اصل بات یہ ہے کہ............ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں آپ کو خدا تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ اور کوئی بات نہ کریں آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ کیا آپ نے یہ کہا ہے یا نہیں کہ مجھ پر فرشتے اُترتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے باتیں کرتا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! میں نے ایسا کہا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں آپ پر ایمان لاتا ہوں [۲] اس کے بعد اُنہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ تو دلیلیں دے کر میرے ایمان کو خراب کرنے لگے تھے۔ جب میں نے آپ کو پہلے ہی دیکھا ہوا تھا اور میں جانتا تھا کہ آپ جھوٹ نہیں بولتے تو پھر کسی دلیل کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آپ دلیلیں دے کر میرے ایمان کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔ گویا میں مشاہدے کے بعد بھی کسی اور دلیل کا محتاج ہوں۔ غرض

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنی دلیل آپ ہوتی ہیں ان کو دیکھنے کے بعد کسی اور دلیل کی

ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ یہی حال ہم نے دیکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دیکھنے کے بعد ہمیں یہ احساس بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ آپ جھوٹ بول سکتے ہیں۔

ایک دوست منشی اروڑے خاں صاحب ہوتے تھے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُرانے صحابی تھے اُنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دعویٰ سے پہلے بھی دیکھا ہوا تھا اور آپ سے ملتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھنے کیلئے قادیان تشریف لا رہے تھے کہ لوگ آپ کو پکڑ کر مولوی ثناء اللہ صاحب کے پاس لے گئے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب سے اُن لوگوں نے کہا کہ یہ (منشی صاحب) کپورتھلہ سے آ رہے ہیں اور قادیان جا رہے ہیں۔ یہ مرزا صاحب کے بڑے مرید ہیں آپ انہیں سمجھائیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب دلائل دیتے رہے اور وہ خاموش بیٹھے سنتے رہے۔ جب مولوی صاحب اپنے دلائل دے چکے تو لوگوں نے منشی صاحب سے کہا اب بتایئے کیا مرزا صاحب سچے ثابت ہوئے ہیں یا جھوٹے؟ منشی صاحب نے فرمایا مولوی صاحب آپ نے پندرہ بیس منٹ تقریر کی ہے آپ خواہ دو دن بھی تقریر کریں میں نے تو حضرت مرزا صاحب کا منہ دیکھا ہوا ہے مجھ پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوسکتا۔ میں نے حضرت مرزا صاحب کا چہرہ دیکھا ہے اور آپ کو دیکھنے کے بعد میں یہ جانتا ہوں کہ وہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ اسی طرح ہم جو آپ کو بچپن سے دیکھتے رہے ہیں کسی طرح یہ قیاس بھی نہیں کر سکتے کہ آپ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) اسلام کے دشمن تھے۔

میں ابھی چھوٹا تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بچوں کے ساتھ بڑی مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے اور بڑی محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کسی کتاب کا مسودہ لکھ رہے تھے اُس وقت میری عمر گیارہ بارہ سال کی تھی آپ کی عادت تھی کہ آپ ٹہلتے بھی جاتے تھے اور لکھتے بھی جاتے تھے۔ اسی طرح آپ اُس وقت ٹہلتے بھی جاتے تھے اور لکھ بھی رہے تھے۔ مسجد کے پاس ہی ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جسے بیت الفکر کہتے ہیں۔ اُس کی ایک کھڑکی مسجد کی طرف کھلتی تھی۔ میں بھی پہلے اُس کھڑکی سے گزر کر نماز پڑھانے کے لئے آیا کرتا تھا بعد میں ہجوم زیادہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسری کھڑکی بنادی گئی اور میں نے اُس سے آنا شروع کر دیا۔ اس کمرے یعنی بیت الفکر میں حضرت (اماں جان) رحل پر قرآن کریم رکھے تلاوت کر رہی تھیں۔ آپ کے پاس ہمارا

چھوٹا بھائی مبارک احمد بھی بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبارک احمد سے بے حد پیار تھا بلکہ آپ کا پیار عشق کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام ٹہلتے بھی جاتے تھے اور لکھ بھی رہے تھے میں بھی پاس کھڑا تھا میں نے دیکھا کہ جیسے چیل جھپٹا مارتی ہے آپ کود کر اُس کمرہ میں گئے اور مبارک احمد کو ایسا تھپڑ مارا کہ اُس کے منہ پر سرخ نشان پڑ گئے۔ میں حیران تھا کہ ہوا کیا؟ ساتھ ہی آپ نے یہ الفاظ کہے تجھے شرم نہیں آتی کہ تم اللہ تعالیٰ کے کلام کی بے حرمتی کرتے ہو! بعد میں میں نے والدہ صاحبہ سے پوچھا تو اُنہوں نے بتایا کہ مبارک احمد کوئی چیز مانگ رہا تھا میں نے کہا کہ تلاوت کے بعد میں تمہیں وہ چیز دوں گی۔ اِس پر اُس نے رحل کو دھکا دیا اور کہا یہ چھوڑ دو اور مجھے وہ چیز دو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ سنتے ہی کود کر اندر آئے اور ایسے زور کے ساتھ اُسے تھپڑا مارا کہ اس کے منہ پر نشان پڑ گئے۔ حالانکہ مبارک احمد اُس وقت ایک چھوٹا بچہ تھا اور آپ اس سے حد درجہ پیار کرتے تھے اب کوئی شخص خواہ کتنی دلیلیں دے خواہ دس کروڑ دلیلیں دے اور کہے کہ آپ کو قرآن کریم سے عشق نہیں تھا تو ہم پر اس کا کیا اثر ہوسکتا ہے۔ جس نے وہ نظارہ دیکھا ہے۔ جس نے آپ کی وہ غیرت اور وہ جوش دیکھا ہے کیا وہ ایک لمحہ کیلئے بھی مان سکتا ہے کہ آپ کے دل میں اسلام کی کوئی غیرت نہیں تھی، قرآن کریم کی کوئی غیرت نہیں تھی یا آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو محبت آپ کو تھی اس کا اندازہ مرزا سلطان احمد صاحب کے ایک واقعہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ مرزا سلطان احمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں آپ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد انبیاء کی ہتک کے متعلق جب قانون پاس ہوا اُن دنوں میں اُن کی عیادت کے لئے گیا وہ اُن دنوں بیمار تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اُنہوں نے کہا۔ بڑا شکر ہے کہ مرزا صاحب فوت ہوگئے۔ مجھے اس بات پر سخت غصہ آیا کیونکہ وہ احمدی نہ ہونے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ادب اور احترام نہیں کرتے تھے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگے آج اگر مرزا صاحب زندہ ہوتے تو وہ ضرور قید ہو جاتے کیونکہ ان کے سامنے اگر کوئی شخص محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہتک آمیز فقرہ کہہ دیتا تو اُنہوں نے اُس کے سب اوتاروں کو رگڑ دینا تھا۔ یہ ایک ایسے شخص کی روایت ہے جو آپ کی زندگی میں احمدیت میں داخل نہیں ہوا تھا۔ان حالات کے ہوتے ہوئے ایک احمدی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہے یہ خیال بھی کیسے کرسکتا ہے کہ آپ کی یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوگی اور قادیان ہمیں واپس نہیں ملے گا۔

قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ اس دلیل کو لیتا ہے۔اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ [۳] یعنی اگر آپ فوت ہو جائیں یا قتل کئے جائیں تو کیا تم اپنی اعقاب پر پھر جاؤ گے۔ یہ آیت جنگ اُحد کے متعلق ہے جس میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر یہ خبر صحیح بھی ہوتی کہ آپ شہید ہو گئے ہیں تو کیا تم مرتد ہو جاتے۔حالانکہ یہ صاف بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آپ سے وعدہ تھا اور یہ وعدہ قرآنِ کریم میں موجود ہے کہ آپ انسانی ہاتھوں سے قتل نہیں ہونگے۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ [۴] اللہ تعالیٰ آپ کو انسانی ہاتھوں سے محفوظ رکھے گا اور قتل نہیں ہونے دے گا۔ اِدھر تورات میں بھی یہ موجود تھا کہ آخری نبی کو کوئی شخص مار نہیں سکتا اگر کسی نے دعویٰ نبوت کیا اور پھر وہ مارا گیا تو وہ جھوٹا ہوگا۔مگر باوجود اس کے کہ تورات میں بھی یہ بات موجود تھی کہ آخری نبی انسانی ہاتھوں سے مارا نہیں جائے گا اور قرآن کریم میں بھی یہ لکھا تھا وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔آپ انسانی ہاتھوں سے مارے نہیں جائیں گے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی اعقاب پر پھر جاؤ گے؟ اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا آپ سے وعدہ تھا کہ آپ قتل نہیں ہونگے۔ بے شک تورات میں بھی یہ لکھا تھا کہ آخری نبی مارا نہیں جائے گا لیکن سوال یہ ہے کہ اگر آپ مارے جاتے تو کیا آپ جھوٹے ہوتے ؟ کیا آپ کی صداقت کے اور بھی دلائل موجود ہیں یا نہیں؟ آپ کی صداقت کے تو اِس قدر دلائل موجود ہیں کہ تم نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ یہ وعدہ پورا نہیں ہوا اس لئے آپ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ جھوٹے ہیں۔تم یہی کہہ سکتے ہو کہ پھر ہم اس پیشگوئی کے

معنی غلط سمجھے ہیں۔ اگر ۹۹ پیشگوئیاں ایک طرف ہوں اور ایک پیشگوئی ایک طرف ہو تو ایک پیشگوئی کے صادق نہ آنے کی وجہ سے باقی ننانوے پیشگوئیاں غلط نہیں ہو جائیں گی۔ اگر آپ کے صدق کے ننانوے اَور دلائل موجود ہیں تو ایک پیشگوئی اگر صادق نہ آئے تو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ آپ جھوٹے ہیں بلکہ یہ کہیں گے کہ ہم نے اس پیشگوئی کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ بہرحال جب کسی کی صداقت کے بہت سے نشانات اور دلائل ہوں تو کسی ایک نشان یا دلیل کے پورا نہ ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اس کے باقی نشانات اور دلائل بھی غلط ہیں۔ کثرت کے ماتحت قلت ہوتی ہے قلت کے ماتحت کثرت نہیں ہوتی۔

تیسرا جواب اس کا یہ ہے کہ ہماری ہجرت کے متعلق پہلے سے پیشگوئی موجود تھی۔ اگر یہ پیشگوئی پہلے سے موجود نہ ہوتی تب بھی کوئی بات تھی۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی صراحتاً موجود ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے ''داغِ ہجرت'' [۵] جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہمیں قادیان چھوڑنی پڑے گی۔ اسی طرح آپ پر اللہ تعالیٰ نے وہی وحی نازل فرمائی جو اس نے رسول کریم ﷺ پر ہجرت کے متعلق نازل فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ [۶] ہم اس ہستی کی قسم کھا کر کہتے ہیں جس نے تجھ پر قرآن کریم فرض کیا ہے کہ تو مکہ سے نکالا جائے گا اور پھر مکہ میں واپس لایا جائے گا۔ یہی الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہوا [۷] جب یہی الہام آپ کو ہوا ہے تو پھر اس کے معنی بھی وہی ہوں گے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے تھے کہ وہ تمہیں قادیان سے نکالے گا اور پھر قادیان میں اپنے فضل سے واپس لائے گا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو وفات پا گئے ہیں اور پیشگوئی آپ کے بعد پوری ہوئی۔ اگر اس پیشگوئی نے پورا ہونا تھا تو آپ کی زندگی میں ہی کیوں پوری نہ ہوئی؟ اس سوال کا جواب خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں موجود ہے۔ آپ فرماتے ہیں میرے ہاتھ میں قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں [۸] لیکن واقعہ یہ ہے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں بلکہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دی گئیں جو آپ کے خلیفہ دوم تھے۔ گویا اُس چیز کو جو حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آنے والی تھی

اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا جانا قرار دیا۔ درحقیقت یہ ایک عام دستور ہے کہ کبھی وہ بات جو ماتحت کے ساتھ کی جاتی ہے اُسے بزرگ کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور کبھی وہ بات جو بزرگ کے ساتھ کی جاتی ہے اُسے ماتحت کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا یہ تھا کہ آپ کے ہاتھ میں قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں ہیں مگر ہوا یہ کہ وہ کنجیاں حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دی گئیں۔

اسی طرح آپ کی ایک اور رؤیا بھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ میرے پاس جنتی انگوروں کے دو خوشے لایا میں نے اس سے پوچھا یہ کس کیلئے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ ان میں سے ایک خوشہ آپ کے لئے ہے اور دوسرا ابوجہل کے لئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اس کے جواب میں اتنا گھبرایا کہ میری آنکھ کھل گئی اور میں نے کہا کہ کیا خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کا ایک نبی اور دشمن دونوں ایک ہی مقام پر ہیں؟ خدا تعالیٰ کے نبی کیلئے بھی بہشت کے انگوروں کا خوشہ آیا ہے اور اس کے دشمن کے لئے بھی بہشت سے انگوروں کا خوشہ آیا ہے۔[9] آپ فرماتے ہیں میرے دل پر اس رؤیا کی وجہ سے ایک بوجھ سا رہا۔ یہاں تک کہ عکرمہؓ ایمان لایا تب اس رؤیا کی تعبیر میری سمجھ میں آئی کہ ابوجہل سے مراد عکرمہؓ تھا۔

اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ ابوجہل دکھایا گیا مگر اس سے مراد اس کا بیٹا تھا اور دوسری جگہ آپ کو یہ دکھایا گیا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو ملیں مگر ملیں حضرت عمرؓ کو جو آپ کے دوسرے خلیفہ تھے۔ اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''داغِ ہجرت'' کا الہام تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہوا مگر یہ پیشگوئی درحقیقت آپ کے خلیفہ دوم کے ساتھ وابستہ ہے۔ چنانچہ یہ ہجرت کا واقعہ میری زندگی میں ہوا اور میں ہی آپ کا خلیفہ دوم ہوں۔

اس کے علاوہ خدا تعالیٰ نے خود مجھ پر اس پیشگوئی کو اس طرح بار بار کھولا ہے کہ حیرت آ جاتی ہے میں نے اپنے رؤیا کئی لوگوں کو سنائے ہیں اور وہ اقرار کرتے ہیں کہ یہ واقعی حیرت انگیز ہیں۔ میں نے ۱۹۴۱ء میں ایک رؤیا دیکھا تھا جو ۱۳ر جنوری ۱۹۴۲ء کے الفضل میں شائع شُدہ موجود ہے میں نے دیکھا کہ قادیان پر حملہ ہوا ہے اور اس حملہ میں دشمن نے ہر قسم کے ہتھیار استعمال کئے ہیں اس کے نتیجہ میں ہمیں قادیان چھوڑنا پڑا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں قادیان

سے اس غرض کے لئے نکلا ہوں کہ میں مرکز کے لئے نئی جگہ تلاش کروں تا کہ ہم وہاں اکٹھے ہو کر قادیان کو واپس لینے کی کوشش کریں۔ جب میں اس جگہ پر پہنچا ہوں (میں تفصیل کو چھوڑتا ہوں کیونکہ وہ الفضل میں چھپی ہوئی ہے) تو ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے کہا بڑی تباہی ہے، بڑی تباہی ہے۔ جالندھر میں بھی بڑی تباہی ہوئی ہے اور لوگوں کو کہیں پناہ نہیں ملی۔ پھر میں نے دیکھا کہ قادیان کے سارے محلے دشمن نے لے لئے ہیں۔ میں نے ایک دوست سے پوچھا۔ مسجد مبارک کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ لوگ تو اب تک مقابلہ کر رہے ہیں۔ میں نے کہا اگر وہ مقابلہ کر رہے ہیں تو پھر ہمیں کامیابی ہو جائے گی۔

بھلا ۱۹۴۲ء میں کس کو خیال تھا کہ جنگ ہوگی۔ پھر کس کو خیال تھا کہ توپیں چلیں گی رائفلوں سے لڑائیاں ہونگی اور پھر قادیان اس علاقہ میں ہوگا جس پر دشمن کا قبضہ ہوگا پھر یہ تباہی جالندھر تک ہوگی اور یہ کہ قادیان کے تمام محلے خالی ہو جائیں گے۔ صرف حلقہ مسجد مبارک اپنی جگہ پر جما رہے گا۔ میری یہ رؤیا اخبار میں چھپی ہوئی موجود ہے اور اخبار ساری دنیا میں پھیل جاتے ہیں اور اُن کی ایک کاپی سرکاری دفاتر میں بھی محفوظ رہتی ہے اس لئے اس میں بناوٹ کا احتمال نہیں ہوسکتا یہ پیشگوئی ساری کی ساری پوری ہوئی ہے حملے بھی ہوئے، تباہی بھی آئی اور پھر یہ غیر معمولی بات ہے کہ سارے مشرقی پنجاب میں صرف قادیان ایک ایسا مقام ہے جہاں مسجد مبارک کے حلقہ میں اب تک اذانیں دی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کیا جاتا ہے یہ باتیں ایسی ہیں جنہیں دیکھ کر کوئی انسان اس پیشگوئی میں شُبہ نہیں کرسکتا اور اسے ماننا پڑتا ہے کہ ہمیں خدائی کلام کے ماتحت قادیان چھوڑنا پڑا ہے اور وہ بہرحال ہمیں ایک دن واپس ملے گا۔

اسی طرح PARTITION کے اعلان سے چند دن پہلے میں دعا کرتا ہوا لیٹ گیا۔ غالبًا اُس دن آخری روزہ تھا۔ مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی اور پھر الہام ہوا **اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا**۔ یعنی تم جہاں کہیں بھی جاؤ گے خدا تعالیٰ تمہیں اکٹھا کر کے لے آئے گا۔ اس وقت پارٹیشن (PARTITION) کا اعلان نہیں ہوا تھا اور ضلع گورداسپور پاکستان میں تھا اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھے الہام میں بتایا کہ **اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا** تم جہاں کہیں بھی جاؤ گے اللہ تعالیٰ تمہیں اکٹھا کر کے واپس لے آئے گا۔

اب دیکھو اس الہام میں ہمارے قادیان سے دوسری جگہ جانے کی بھی خبر ہے اور پھر واپس آنے کی بھی خبر ہے۔ PARTITION کے اعلان سے پہلے صبح کے دس بجے کے قریب مجھے یہ الہام ہوا تھا اور رات کو یہ اعلان ہوا کہ گورداسپور انڈین یونین میں شامل کر دیا گیا ہے۔

پس یہاں شُبہ کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ جب اس پیشگوئی کا وہ حصہ پورا ہو گیا جو انذار کا تھا تو اس کا وہ حصہ کیوں پورا نہیں ہوگا جو تبشیر کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے اور تمام صوفیاء اس پر متفق ہیں کہ جب اس کی طرف سے سختی اور تلخی کی کوئی خبر دی جاتی ہے تو وہ دعا اور گریہ وزاری سے ٹل جاتی ہے لیکن اس کی طرف سے بشارت کی خبر نہیں ٹل سکتی کیونکہ انذار کی خبر کو ٹلا دینا رحم اور خوبی ہے اور وعدے کو ٹلا دینا بے وفائی اور بدعہدی ہے اور خدا تعالیٰ رحم تو کر سکتا ہے بے وفائی اور بدعہدی نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ انذار کی خبر کو ٹلا سکتا ہے خوشی کی خبر کو نہیں ٹلا سکتا۔ پس جب وہ بات جو اصول کے مطابق ٹل سکتی تھی نہیں ٹلی تو جو نہیں ٹل سکتی اُس کے متعلق تم کس طرح یہ خیال کر سکتے ہو کہ وہ واقع نہیں ہوگی۔

دوسرا شُبہ جو قادیان کے واپس ملنے کے متعلق لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب قادیان ملنا ہے تو پھر ربوہ کی تعمیر کی کیا ضرورت ہے اور ایک نیا مرکز کیوں تعمیر کیا جا رہا ہے؟ اس کی کئی وجوہ ہیں اوّل پیشگوئیوں کو پورا کرنے کیلئے بھی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا کہ مکہ آپ کو واپس دیا جائے گا مگر کیا مکہ کو واپس لینے کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے جہاد نہیں کیا لڑائیاں نہیں کیں اور وہ تمام کی تمام تدابیر اختیار نہیں کیں جن سے فتح حاصل کی جا سکتی ہے فتح مکہ کے لئے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو متواتر جنگوں میں سے گزرنا پڑا۔ آپ نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا بیسیوں صحابہ کو شہید کروایا صرف اس لئے کہ مکہ واپس مل جائے۔ اگر آپ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے تو کیا یہ پیشگوئی پوری ہو سکتی تھی پس اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود نہایت اعلیٰ شان رکھنے کے جس کی گرد کو بھی ہم نہیں پہنچ سکتے اس پیشگوئی کے ہوتے ہوئے باقی تدابیر کو ترک نہیں کیا تو ہم کون ہیں جو اس پیشگوئی کا بہانہ بنا کر اور اس کی آڑ لے کر اس

جدوجہد کو چھوڑ دیں جس کو خدا تعالیٰ نے قادیان کی واپسی کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔

(اس موقع پر حضور نے فرمایا:)

ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ اگر آپ کو پاکستان کے متعلق کوئی رؤیا ہوا ہو تو بتائیں اور اگر اب تک کوئی رؤیا نہیں ہوا تو جب بھی کوئی رؤیا ہو ہمیں بتا دیا جائے۔ یہ سوال عجیب قسم کا ہے۔ پاکستان قائم ہو چکا ہے اور جو چیز قائم ہو چکی ہو اس کے متعلق کسی رؤیا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں غالباً اِس دوست کا یہ مطلب ہے کہ اگر پاکستان کے استحکام کے متعلق کوئی رؤیا ہوا ہو تو وہ بتایا جائے۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ پاکستان کا قیام خدائی تقدیروں میں سے ایک تقدیر ہے اور اس میں شُبہ کی کوئی بھی گنجائش نہیں کہ اب اسلام کے لئے ترقی کا زمانہ آ گیا ہے ہم لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں اسی لئے ایمان رکھتے ہیں کہ ہم پورے یقین کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ اب آپ کے ذریعہ سے اسلام کو دوبارہ مستحکم کیا جائے گا اس لئے اب یہ سوال نہیں کہ فلاں علاقہ کے لوگ آگے بڑھیں گے یا ہم بلکہ اب اسلام یقیناً دوسری قوموں کو رگیدتا ہوا آگے ہی آگے اپنا قدم بڑھاتا چلا جائے گا۔ اب اسلام کے غالب ہونے کی باری ہے کفر کے غالب ہونے کی باری ختم ہو چکی ہے۔

(سلسلہ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا:)

میں نے بتایا ہے کہ پیشگوئیوں کو پورا کرنے کے لئے جدوجہد کی بھی ضرورت ہوتی ہے صرف یہ کہہ دینا کہ فلاں چیز کے لئے پہلے سے پیشگوئی موجود ہے کافی نہیں ہوتا۔ پس جب پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے جدوجہد کی بھی ضرورت ہوا کرتی ہے تو یہ لازمی بات ہے کہ اس کو پورا کرنے کیلئے ایک مرکز بھی ہو۔ فوج لڑتی ہے تو اس کے لئے کمانڈر کی ضرورت ہوتی ہے، سٹاف اور عملہ کی ضرورت ہوتی ہے، مرکز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ ہمیں جب یہ یقین ہے کہ ہم ہی جیتیں گے تو پھر کسی کمانڈر کی کیا ضرورت ہے۔ سٹاف اور عملہ کی کیا ضرورت ہے تو سب لوگ اُس کی حماقت پر ہنس پڑیں گے۔ جب لڑائی ہوگی تو اُس کا ہیڈ بھی ہوگا سٹاف اور عملہ بھی ہوگا۔ خواہ بڑی سے بڑی حکومت ہو یا چھوٹی سے چھوٹی۔ سب کیلئے ان چیزوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ انگریز جب قبائلیوں پر حملہ کرتے تھے تو اُن کا بھی کمانڈر ہوتا

تھا، سٹاف اور عملہ ہوتا تھا۔ اسی طرح بے شک قادیان کے متعلق خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ہمیں واپس ملے گا لیکن باوجود اس وعدہ کے اُسے واپس لینے کیلئے ایک مرکز کی ضرورت ہے تا وہاں اکٹھے ہو کر جدوجہد کی جاسکے جیسا کہ رؤیا میں دکھایا گیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قادیان میں جو مرکز قائم تھا اس کا کوئی مقصد تھا یا نہیں۔ آیا وہ مرکز محض قادیان کے لحاظ سے تھا یا کوئی کام کرنے کیلئے تھا۔ اگر کوئی کام کرنے کیلئے تھا تو وہ کام کیا تھا؟ وہ مقصد جس کے لئے قادیان میں مرکز قائم کیا گیا تھا ظاہر ہے یعنی اسلام کی اشاعت کرنا، جماعت کی تربیت کرنا، جماعت کو اکٹھا کر کے اسلام کے غلبہ کے لئے مشترکہ جدوجہد کے لئے تیار کرنا، ایسی جدوجہد جو کفر کو ہمیشہ کے لئے پسپا کر دے۔ یہ وہ غرض تھی جس کے ماتحت قادیان میں مرکز قائم کیا گیا تھا اگر یہ غرض نہ ہوتی تو نہ قادیان کی ضرورت تھی اور نہ کسی اور مرکز کی۔ مکہ اور مدینہ میں بھی لوگ جاتے ہیں اور حج کر کے واپس آ جاتے ہیں مگر جب تک کوئی خاص مقصد نہ ہو کوئی آرگنائزیشن (ORGANISATION) بھی نہیں ہوسکتی۔ چونکہ لوگوں نے اس غرض کو فراموش کر دیا ہے جس کے لئے مکہ اور مدینہ قائم کئے گئے تھے اس لئے لوگ وہاں جاتے ہیں اور حج کر کے واپس آ جاتے ہیں وہاں کوئی ایسی انجمن قائم نہیں جو تبلیغ کروائے اور مسلمانوں کے اندر خالص دینی روح پیدا کرے۔

قادیان کے متعلق ہمارا دعویٰ ہے کہ جو مرکز وہاں قائم کیا گیا تھا وہ صرف اس لئے قائم نہیں کیا گیا تھا کہ وہ قادیان ہے بلکہ اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ ہم اسلام کو پھیلائیں، اسلام کو دنیا میں قائم کریں اور اسلامی روح لوگوں میں زندہ کریں تا کفر کا مقابلہ کیا جاسکے۔ اگر قادیان میں مرکز بنانے کی ہماری یہی غرض تھی اور یقیناً تھی تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ کام عارضی تھا یا مستقل۔ ایک کام موسمی ہوتے ہیں اور موسم گزر جانے کے بعد ان کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن جو کام مستقل ہوتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے اُن کی ضرورت ہوتی ہے اگر تو وہ کام جس کے لئے ہم نے قادیان میں مرکز قائم کیا تھا موسمی تھا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ قادیان میں واپس جا کر پھر اس کام کو دوبارہ شروع کر دیں گے یا اب چونکہ قادیان ہمارے ہاتھوں سے جاتا رہا ہے اس لئے اب اس کی ضرورت نہیں لیکن اگر وہ کام مستقل تھا تو ہم کہیں بھی جائیں وہ کام ہمیں بہرحال کرنا

پڑے گا مثلاً اگر ہم اپنے گھروں میں ہوں تو کھانا کھاتے ہیں لیکن اگر ہم سفر کی حالت میں ہوں تو کیا ہم کھانا کھانا چھوڑ دیں گے؟ یا کپڑا ہے اگر ہم گھروں میں ہوں تو کپڑا پہننا ضروری ہے لیکن اگر ہم سفر پر ہوں تو کیا ہم کپڑا پہننا چھوڑ دیں گے؟ اگر کھانا اور کپڑا پہننا سفر میں بھی ضروری ہے اور حضر میں بھی ضروری ہے تو خواہ ہم قادیان میں ہوں یا کسی اور جگہ پر ہمیں وہ کام کرنا پڑے گا جس کے لئے ہم نے قادیان میں مرکز قائم کیا تھا اگر وہ قادیان کے باہر رہ کر بھی ہمیں لازمی طور پر کرنا ہے تو پھر اس کے لئے ایک مرکز کی بھی ضرورت ہے اگر ہمارا کوئی مرکز نہیں ہوگا تو وہ کام بھی نہیں ہو سکے گا اور اگر ہمارا کام نہیں چلے گا تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ ہم نے اس غرض کو باطل کر دیا ہے جس کیلئے قادیان کو مرکز قرار دیا گیا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ مقصد بیان نہیں فرمایا کہ وہ ہمیں قادیان میں بسائیں گے بلکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث کیا تھا تا آپ اسلام کو دوسرے تمام ادیان پر غالب کریں۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ [۱] اگر ہمارا قادیان میں مرکز بنانے کا یہ مقصد تھا تو وہ مقصد اب فوت کیسے ہو گیا۔ اگر وہ مقصد زندہ ہے تو لازماً اس کے لئے ہمیں کسی مرکز کی بھی ضرورت ہے۔

تیسرا جواب اس کا یہ ہے کہ جہاں الٰہی پیشگوئیوں میں قادیان سے ہجرت کی خبر ہے وہاں ساتھ ہی قادیان میں واپس جانے کی بھی خبر ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام ہے کہ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ہم اُس ہستی کی قسم کھا کر کہتے ہیں جس نے تجھ پر قرآن کریم ایک رنگ میں دوبارہ نازل کیا کہ ہم تجھے ضرور قادیان میں واپس لائیں گے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے ''داغِ ہجرت'' اور ہجرت ہمیشہ ایک مقام کی طرف ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ ہجرت مدینہ کی طرف کی گئی تھی اور یہاں بھی ہجرت کسی اور مقام کی طرف ہوگی۔ میری رؤیا میں بھی صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ میں کسی جگہ پر مرکز بناؤں گا اور قادیان کو واپس لینے کی کوشش کروں گا۔ جب یہ چیز بالکل واضح ہے تو ایک حصہ کے بعد دوسرے حصہ کو چھوڑ دینے

کی کیا وجہ ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہم ایک نیا مرکز بنائیں اور وہاں اکٹھے ہو کر قادیان کو واپس لینے کی کوشش کریں۔ پھر مصلح موعود والی رؤیا میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ مصلح موعود والی رؤیا میں مجھے دکھایا گیا تھا کہ قادیان پر حملہ ہوا ہے اور میں وہاں سے بھاگا ہوں۔

تیسرا شُبہ بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ اگر مرکز بنانا ضروری ہے تو وہ بنا لیا جائے مگر وہاں سکول، کالج، دفاتر اور مقبرے بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بھی کم عقلی کی بات ہے یہ صاف بات ہے کہ جب وہاں مرکز بنے گا تو ضروری ہے کہ وہاں پڑھنے والے ہوں۔ جب یہ جگہ آباد ہوگی تو ضروری ہے کہ وہاں دُکانوں والے ہوں۔ کیا لوگ سائیکلوں پر جا کر دس دس میل دور سے سودے لایا کریں گے۔ پھر لازمی بات ہے کہ اگر وہاں آبادی ہوگی تو نائی، دھوبی، معمار اور نجار وغیرہ بھی ضرور ہونگے اور مختلف قسم کے اور پیشہ ور بھی ہونگے وہ وہاں رہ کر اپنی زندگیوں کو بھی سنواریں گے اور وہاں کے لوگوں کی ضرورتوں کو بھی پورا کریں گے۔

ایک سوال یہ بھی کیا گیا ہے کہ کیا وہ جگہ جہاں نیا مرکز بنایا جائے گا مقدس ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ احمدیہ مرکز صرف عمارتوں کی وجہ سے برکت نہیں پاتا بلکہ تعلیم و تربیت اور دینی کاموں کی وجہ سے برکت پاتا ہے اور یہ چیز جہاں بھی ہوگی وہ جگہ برکت پائے گی اور وہاں جو بھی احمدی جائیں گے برکت پائیں گے۔ مثلاً خلیفہ کا وجود ہے اگر اُس کی مجلس میں بیٹھنا بابرکت ہے اور اگر قادیان کی سب سے بڑی برکت یہی تھی کہ وہاں خلیفہ کا وجود تھا تو لازمی بات ہے کہ وہ جہاں بھی جائے گا وہ مقام بابرکت ہو جائے گا۔ پھر اگر قادیان کی برکت اُس نظام کی وجہ سے تھی جو وہاں قائم کیا گیا تھا تو یہ لازمی بات ہے کہ یہ نظام جہاں بھی جائے گا وہ جگہ بابرکت ہوگی یہ تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ قادیان میں خلیفہ ہو تو وہ بابرکت ہے اور اگر باہر چلا جائے تو پھر وہ جگہ بابرکت نہیں ہو سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کے ذریعہ تعلیم و تربیت جاری رہے گی، جس کے ذریعہ خدائی باتیں دنیا میں پھیلیں گی اور جس کے ذریعہ تبلیغ اور اشاعت کا کام ہوگا وہ جہاں بھی جائے گا مرکز بن جائے گا اور جہاں بھی رہے گا وہ مقام بابرکت ہوگا۔ کسی نے کہا ہے

صدر ہر جا کہ نشیند صدر است

صدر جہاں بھی بیٹھے، صدر ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں خلیفہ اگر کالے پانی بھی چلا جائے تو وہ بھی بابرکت بن جائے گا۔ برکت مکانوں سے بھی ملتی ہے لیکن مکینوں سے زیادہ ملتی ہے۔ مکان دعائیں نہیں کرتے مکین دعائیں کیا کرتے ہیں۔ مکان جدوجہد نہیں کرتے مکین جدوجہد کیا کرتے ہیں۔ مکان بولا نہیں کرتے مکین بولا کرتے ہیں۔ مکان تنظیم نہیں کرتے مکین تنظیم کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ سب باتیں جو جماعت کو بڑھانے والی ہیں مکان کے ساتھ وابستہ نہیں مکین کے ساتھ وابستہ ہیں۔ مکان ایک ذریعہ ہوتے ہیں اور مکین وہ مقصود ہوتے ہیں جن کے ذریعہ دنیا ایک نئی زندگی پاتی ہے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑا تو مدینہ کیا تھا۔ ایک معمولی سی بستی تھی جہاں مشرک اور یہودی بستے تھے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد وہی مدینہ برکتوں سے مالا مال ہو گیا اور آج تک برکتوں سے بھرا ہوا ہے۔ آپ کے مدینہ سے چلے جانے کی وجہ سے مکہ کی برکت زائل نہیں ہوئی بلکہ مدینہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اور برکت مل گئی۔ خدا تعالیٰ کے خزانے میں صرف ایک برکت نہیں تھی بلکہ اس کے خزانے ہر قسم کی برکتوں سے بھرے پڑے ہیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو لوگوں میں قدرتاً یہ خیال پیدا ہوا کہ مکہ ایک بابرکت اور مقدس مقام تھا۔ اب مدینہ میں ویسی برکت کیا ہوسکتی ہے اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ اے خدا! میں مدینہ کے متعلق وہ ساری برکتیں تجھ سے مانگتا ہوں جو مکہ کو حاصل تھیں پھر آپ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا۔ اے لوگو سنو! آج سے ہر برکت جو مکہ کو حاصل تھی مدینہ کو بھی حاصل ہے جو ذمہ داریاں تم پر مکہ میں رہنے کی وجہ سے عائد تھیں وہی ذمہ داریاں یہاں مدینہ میں رہ کر بھی تم پر عائد ہیں۔ جس طرح مکہ میں قتل و غارت اور لڑائیاں منع تھیں اسی طرح مدینہ میں بھی قتل و غارت اور لڑائیاں منع ہیں۔ پس جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے سے مدینہ بابرکت ہو گیا تھا اسی طرح ہر وہ جگہ جہاں خدا تعالیٰ کے نام کو بلند رکھنے کیلئے کوشش کی جائے گی، ہر وہ جگہ جہاں اسلام کے غلبہ کے لئے کوشش کی جائے گی، ہر وہ جگہ جہاں اسلام کی اشاعت کیلئے کوشش کی جائے گی وہ بابرکت ہو جائے گی چاہے دنیا کا سارا شور اور نمک اُس جگہ پر کیوں

نہ اکٹھا ہو جائے۔ اس قسم کا اعتراض کرنے والے بعض منافق ہیں لیکن پھر بھی مجھے حیرت آتی ہے کہ سکھوں کا گرو اگر کسی جگہ پر بیٹھا ہے تو اُنہوں نے اُسے پیڑھا صاحب کہنا شروع کر دیا۔ اگر اُن کا گرو کسی چارپائی پر بیٹھا ہے تو اُنہوں نے اُسے منجا صاحب کہنا شروع کر دیا۔ اگر کسی بیری کے نیچے کھڑا ہوا تو اُنہوں نے اُسے بیری صاحب کہنا شروع کر دیا۔ جب کسی سِکھ سے پوچھا جائے کہ یہ بیری صاحب کیا ہے تو وہ کہے گا ہمارے گرو صاحب اس کے نیچے بیٹھے تھے۔ جب کسی سِکھ سے پوچھا جائے یہ پیڑھی صاحب کیا ہے وہ کہے گا ہمارے گرو صاحب اس پر بیٹھے تھے۔ جب پوچھا جائے کہ یہ منجا صاحب کیا ہے وہ کہے گا ہمارے گرو صاحب اس چارپائی پر بیٹھے تھے۔ وہ وحشی قوم جو تمام روحانی اصولوں سے عاری ہے وہ سمجھتی ہے کہ ایک پیڑھی کو اس لئے برکت حاصل ہو سکتی ہے کہ اُن کا گرو اس پر بیٹھا تھا۔ ایک چارپائی کو برکت حاصل ہو سکتی ہے کہ ان کا گرو اس پر بیٹھا تھا۔ ایک بیری کو برکت حاصل ہو سکتی ہے اس لئے کہ ان کا گرو اس کے نیچے کبھی بیٹھا تھا۔ مگر یہ منافق اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ وہ جگہ جہاں خلافت قائم ہو گی کیا بابرکت نہیں ہو گی؟ وہ جگہ یقیناً بابرکت ہو گی اور یقیناً جب تک اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کیا جائے گا، اس کی کتاب کو شائع کیا جائے گا، اس کے دین کو پھیلانے کیلئے جدوجہد کی جائے گی وہ بابرکت رہے گی اور صرف وہ زمین ہی بابرکت نہیں ہو گی بلکہ اس کے رہنے والوں پر فرشتے اُترتے رہیں گے اور اس کی برکات کو دنیا کے دوسرے کناروں تک پہنچاتے رہیں گے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب قادیان مل جائے گا تو گو ہمارا اصل مرکز وہی ہو گا لیکن ایک مرکز سے ساری دنیا کا کام نہیں چل سکتا بلکہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس کے ماتحت اور بھی چھوٹے چھوٹے مرکز قائم کریں۔ کیا کسی مُلک کے انتظام کے لئے صرف ایک بادشاہ کافی ہوتا ہے۔ کسی مُلک کے انتظام کے لئے ایک بادشاہ کافی نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ اس کے ماتحت مختلف صوبوں میں گورنر ہوتے ہیں جو اُن صوبوں میں اُس کے نائب ہوتے ہیں مثلاً برطانیہ ہے بادشاہ تو برطانیہ میں رہتا ہے مگر آسٹریلیا، کینیڈا وغیرہ ممالک میں الگ الگ انتظام موجود ہے۔ اسی طرح اگرچہ ہمارا مرکز قادیان ہی ہو گا مگر اس کے ماتحت ہمیں اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے مراکز قائم کرنے پڑیں گے تاکہ وہاں اِردگرد کے لوگ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے اکٹھے

ہوں اور وہاں مل کر کام کریں۔ قادیان میں ہمارا ہائی سکول تھا اب اگر پشاور اور سیالکوٹ وغیرہ میں ہمارے ہائی سکول قائم ہو جائیں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہوگی۔ ان جگہوں کے لڑکے وہاں قائم شُدہ اسکولوں میں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ صرف ایک جگہ پر ہی ہائی اسکول کا ہونا کافی نہیں۔ اب بھی ہمارے مدرسے کئی جگہوں پر ہیں۔ اسی طرح نئے مرکز میں بھی لوگ آئیں گے اور سکولوں سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ یہ جگہ تو چھوٹی سی ہے اگر اسے اِردگرد کے تین چار ضلعوں کا بھی مرکز بنا دیا جائے تو احمدیت کی ترقی کے بعد ہمیں اس سے بہت زیادہ جگہ کی ضرورت ہوگی۔ اس جگہ کا آبادی والا رقبہ صرف چار ہزار کنال ہے۔ اگر اس کو تین چار ضلعوں کا بھی مرکز بنا دیا جائے تو احمدیت کی ترقی کے بعد اس میں اور زیادہ توسیع کی ضرورت ہوگی۔ احمدیوں کی ہندوستان میں سرِ دست دو تین لاکھ کی آبادی ہے جس کا مرکز قادیان تھا اس دو تین لاکھ کی آبادی کا مرکز کتنا بڑا ہو گیا تھا۔ اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ربوہ کو اِردگرد کے پانچ ضلعوں کا مرکز قرار دے دیا جائے یعنی اسے شیخوپورہ، سرگودھا، گوجرانوالہ، گجرات اور جہلم کا مرکز قرار دیا جائے تو ان ضلعوں کی آبادی پچاس لاکھ ہے اگر یہ سب لوگ احمدی ہو جائیں تو یقیناً ان کے لئے ہمیں بہت بڑے مرکز کی ضرورت ہوگی۔ پس قادیان کے مل جانے کے بعد بھی ربوہ اپنی حیثیت کو کھو نہیں سکتا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ خانہ کعبہ اصل مسجد ہے مگر کیا اس خیال سے کہ ہم اس میں نمازیں ادا نہیں کر سکتے ہم دوسری مسجدیں بنانا چھوڑ دیتے ہیں؟ مسجد تو اصل وہ ہے مگر کیا ہر شہر، ہر محلّہ اور ہر گاؤں میں مسجدیں نہیں بنائی گئیں؟ باوجود اس کے کہ اصل مسجد موجود ہے۔ دنیا میں ہمیشہ نئی سے نئی مسجدیں بنائی جاتی ہیں۔ اگر ہم زمانہ کے لحاظ سے یا خرچ اور سفر کی وجہ سے خانہ کعبہ نہیں جا سکتے اور دوسری جگہوں پر مساجد بنا لیتے ہیں اور انہیں بے برکت قرار نہیں دیتے تو یہ کتنی بڑی بیوقوفی کی بات ہے کہ اگر ہم ایک نیا مرکز بنا لیں گے تو وہ بابرکت نہیں ہوگا۔ دیکھو کانپور میں ایک مسجد کے غسلخانے کی ایک دیوار گرا دی گئی تھی جس پر ہندوستان میں شور برپا ہو گیا تھا حالانکہ وہ مسجد نہیں، مسجد کا غسلخانہ نہیں، مسجد کے غسلخانہ کی صرف ایک دیوار تھی جس پر شور برپا ہو گیا۔ خانہ کعبہ کی نقل میں پہلے عرب میں مسجدیں بنائی گئیں۔ پھر عرب کی نقل میں ایران میں

مسجدیں بنائی گئیں؟ پھر ایران کی نقل میں افغانستان میں مسجدیں بنائی گئیں؟ پھر افغانستان کی نقل میں پنجاب میں مسجدیں بنائی گئیں؟ پھر پنجاب کی نقل میں دہلی، آگرہ اور کانپور میں مسجدیں بنائی گئیں۔ غرض وہ مسجد بیسیوں نقلوں کی نقل تھی اس کے غسلخانے کا مسلمانوں میں اتنا احترام تھا کہ جب اُس کی ایک دیوار گرائی گئی تو سارے ہندوستان میں ایک شور مچ گیا اور مسلمانوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مسجد کی بے حرمتی کی گئی ہے۔ جب ہزار نقلوں کی نقل نہیں بلکہ اس نقل کے غسلخانہ کی ایک دیوار بابرکت ہوسکتی ہے تو قادیان کے مرکز کی جو نقل ہوگا وہ کیوں بابرکت نہیں ہوگا۔ آخر مسجد بھی تو نقل ہے خانہ کعبہ کی۔ مگر کیا کوئی شخص جرأت کرسکتا ہے کہ اس کی بے حرمتی کرے اس لئے کہ وہ اصل مسجد نہیں۔ اسی طرح بے شک ربوہ قادیان کی نقل ہوگا مگر جو فعال نقل بنائی جائے گی عام نقلیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں بلکہ میں کہتا ہوں اگر ویسٹ افریقہ میں بھی کوئی مرکز بنایا جائے تو وہ جگہ بھی بابرکت ہو جائے گی کُجا وہ جگہ جو قادیان کے لوگوں کو پناہ دینے کے لئے بنائی جائے وہ بابرکت نہ ہو وہ تو یقیناً بابرکت ہوگی اور اس کے بابرکت ہونے میں کوئی شُبہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب شبہات قیاسات سے پیدا ہوئے ہیں جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا مقصد کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ تنظیم کے لئے مرکز کی کیسی شدید ضرورت ہوا کرتی ہے۔ مجھے تو حیرت آتی ہے کہ اس قسم کے شبہات پیدا کس طرح ہو جاتے ہیں۔ جب شہد تیار ہو جاتا ہے اور لوگ اس شہد کو لینے کے لئے جاتے ہیں تو ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جب کوئی شہد لینے کے لئے چھتے کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے تو فوراً ایک مکھی جو کوئین (QUEEN) ہوتی ہے اس کی ایک بیٹی اور دوسری مکھیوں کا ایک جھنڈ اُڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے اور نئے چھتے کی تلاش کرتا ہے اور پیشتر اس کے کہ شہد لینے والا شہد حاصل کرے شہد کی مکھیاں دوسری جگہ پر نیا چھتہ تیار کرنا شروع کر دیتی ہیں باوجود اس کے کہ شہد کی مکھیوں کو شہد کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، باوجود اس کے کہ وہ ان کے کسی کام نہیں آتا بلکہ دوسرا شخص شہد لے جاتا ہے صرف اس لئے کہ یہ کام ان کے سپرد ہوا ہے وہ فوراً وہاں سے اُڑ جاتی ہیں اور دوسرا چھتہ تیار کر لیتی ہیں کیا انسان کے اندر مکھی جتنی بھی عقل نہیں کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اعتراض کرنے شروع کر دیتا ہے۔ درحقیقت یہ تو ہماری کوتاہی

اور غفلت کی علامت ہے کہ ہم اتنی دیر تک کوئی نیا مرکز قائم نہیں کر سکے۔

مجھے ایک شخص کی بات پر جو ایک قسم کی جہالت تھی حیرت آتی ہے۔ مجھے ایک احمدی دوست نے بتایا کہ اس کے پاس ایک زمیندار آیا اور اس نے باتیں کرنی شروع کر دیں۔ گفتگو کے دوران میں اس نے کہا تقسیم سے پہلے احمدیہ جماعت کی عظمت کا مجھ پر بہت اثر تھا اور میں سمجھتا تھا کہ باقی مسلمان تو یونہی ہیں اصل کام کرنے والی یہی جماعت ہے مگر تقسیم کے بعد ان کا مجھ پر وہ اثر نہیں رہا۔ اس احمدی دوست نے بتایا کہ میں نے اُس سے سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک سال ہو گیا ہے مگر یہ ایک جگہ پر ابھی بیٹھے بھی نہیں انہیں چاہئے تھا کہ فوراً اپنا کام شروع کر دیتے اور اپنے لئے ایک مرکز بنا لیتے۔ میں نے کہا گورنمنٹ کے ساتھ خط و کتابت ہو رہی ہے اس لئے دیر ہو گئی ہے۔ اس نے کہا یہی تو مجھے اعتراض ہے اگر ان لوگوں میں جنون ہوتا تو وہ زبردستی اپنا مرکز قائم کر لیتے خواہ انہیں گولیاں چلا کر مار دیا جاتا۔ چاہے یہ مکمل عقل کی بات نہیں مگر اس حد تک دانائی کی بات ہے کہ ہمیں چاہئے تھا کہ فوراً مرکز قائم کر کے اپنا کام شروع کر دیتے۔ اگر ہماری جماعت اس بارہ میں کوتاہی اور غفلت سے کام لیتی ہے اور مرکز کے بنانے میں دیر کرتی ہے تو وہ اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑا مارتی ہے اور اگر وہ مرکز کی حقیقت کو نہیں سمجھتی تو وہ روحانی بینائی سے محروم ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم وہاں مکان بنائیں گے اور پھر قادیان کے واپس ملنے پر وہاں چلے جائیں گے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہمارا روپیہ ضائع ہو گیا مگر یہ بالکل غلط اعتراض ہے۔ اس کا جواب میں نے پہلے بھی کئی بار دیا ہے۔ قادیان کے ملنے میں آخر کچھ وقت تو لگے گا جب ہم سفر کے لئے جاتے ہیں تو باوجود اس کے کہ وہ پانچ دس گھنٹے کا ہوتا ہے ہم اس کے لئے فرسٹ یا سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لے لیتے ہیں یا فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کے ٹکٹ لینے کی توفیق نہیں ہوتی تو ہم تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے لیتے ہیں اور ساتھ ہی ایسی چیزیں رکھ لیتے ہیں جو رستہ میں کام آتی ہیں تا وہ چند گھنٹوں کا سفر آرام سے کٹ جائے۔ مثلاً ہم کھانے پینے کی چیزیں ساتھ رکھ لیتے ہیں، پانی کی صراحی ساتھ رکھ لیتے ہیں یا کوئی اور چیز ساتھ لے لیتے ہیں۔ ہم دو چار گھنٹہ کے سفر کے لئے تو ایسا کرتے ہیں لیکن دوسری طرف ہم خیال کرتے ہیں کہ وہ مرکز جہاں

ہم نے اکٹھے ہو کر دنیا کو فتح کرنے کی سکیمیں سوچنی ہیں اُس پر خرچ کیا ہوا روپیہ ضائع چلا جائے گا۔ اوّل تو وہ روپیہ ضائع نہیں ہوگا لیکن اگر ہمارا دس بیس لاکھ روپیہ ضائع بھی ہو جائے تو اس کام کے مقابلہ میں جو ہم نے کرنا ہے اس روپے کی پرواہ ہی کیا ہے۔ اس روپیہ کے ضائع ہونے کی ہمیں اتنی بھی حس نہیں ہونی چاہیئے جتنی کہ جسم کی مَیل اُتر جانے کی ہوتی ہے۔

کہتے ہیں جب شاہ جہاں کی بیوی ممتاز محل فوت ہوئی تو اُس نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ آیا اور اُس نے نقشہ کھینچ کر بتایا کہ ممتاز محل کے لئے جنت میں ایسی جگہ تیار کی گئی ہے۔ شاہ جہاں نے چاہا کہ وہ اِس قسم کا روضہ تیار کرائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شاہ جہاں نے ممتاز محل کی زندگی میں ہی یہ خواب دیکھی تھی۔ بہر حال شاہ جہاں نے جب اس کا انجینئروں سے ذکر کیا تو اُنہوں نے کہا ہم ایسی عمارت نہیں بنا سکتے۔ اُن دِنوں ایک انجینئر ایران سے آیا ہوا تھا اس نے بادشاہ سے کہا ایسی عمارت بن تو سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے آپ دو لاکھ کے توڑے اپنے ساتھ لے لیں اور میرے ساتھ دریا کے پار جائیں۔ شاہ جہاں نے ایک ایک ہزار کے دوسَو توڑے لے لئے۔ جب کشتی چلی تو اس انجینئر نے ایک توڑا اُٹھایا اور دریا میں پھینک کر کہا کہ بادشاہ سلامت اس طرح روپیہ خرچ ہوگا تب عمارت بنے گی۔ شاہ جہاں نے کہا کوئی حرج نہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے ایک اور توڑا دریا میں پھینک کر کہا۔ بادشاہ سلامت اس طرح روپیہ خرچ ہوگا۔ پھر اس نے ایک اور توڑا پھینکا مگر شاہ جہاں نے اُس کی ذرا بھی پرواہ نہ کی یہاں تک کہ دریا کے آخر تک دو لاکھ کے توڑے ختم ہو گئے اور شاہ جہاں کے چہرے پر قطعاً ملال کے کوئی آثار ظاہر نہ ہوئے۔ جب انجینئر دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچا تو اس نے کہا بادشاہ سلامت! آپ کی خواہش کے مطابق عمارت بن جائے گی۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسی عمارت وہ دوسرے انجینئر بھی بنا سکتے تھے لیکن اُنہوں نے یہ خیال کیا کہ اس عمارت کے تیار کرنے پر بہت زیادہ روپیہ خرچ ہوگا۔ اگر ہم نے یہ عمارت شروع کی تو کہیں ہم مارنہ دیئے جائیں اس لئے کہ ہم نے خزانہ کا اِس قدر روپیہ کیوں خرچ کرایا۔ میں نے آپ کا امتحان لے لیا ہے میں نے دو لاکھ کے توڑے دریا میں پھینک دیئے مگر آپ نے اُف تک نہیں کی تب میں سمجھا کہ اگر اس عمارت کی تیاری پر آپ کا دو کروڑ روپیہ بھی لگ جائے گا تو

آپ اس کی پرواہ نہیں کریں گے۔

پس بڑے اور بلند کاموں کے لئے ان چیزوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب اتنا بڑا کام ہمارے سپرد ہوا ہے یعنی ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کو تمام دنیا میں قائم کرنا ہے اور اسلام کو باقی تمام ادیان پر غالب کرنا ہے تو پھر یہ سوال ہی کیا ہے کہ اس پر ہمارا روپیہ ضائع چلا جائے گا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر ہم ہر سال بھی ایک نیا مرکز بنائیں تو جماعت کے مخلص لوگ اس کی پرواہ نہیں کریں گے جب انہیں ایک مرکز سے نکال دیا جائے گا تو وہ آگے جا کر ایک اور نیا مرکز بنا لیں گے اور سمجھیں گے کہ جو خدا تعالیٰ نے انہیں دیا تھا وہ اس کے کاموں میں صرف ہو گیا اور اس سے بڑھ کر اور نعمت ہی کیا ہے کہ ہم خدا کا دیا ہوا روپیہ اُسی کے کاموں پر خرچ کریں۔

پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس عارضی مرکز کے بارہ میں غفلت میں نہ رہے۔ زمین کی قیمتیں بڑھتی چلی جائیں گی۔ قادیان میں ایسا ہی ہوا تھا یہاں تک کہ بیس بیس ہزار روپیہ فی کنال تک قیمت پہنچ گئی تھی۔ ہم نے خود انجمن کے لئے ساٹھ ہزار روپیہ پر ایک ٹکڑہ زمین خریدا تھا اسی طرح جو اس جگہ میں برکتیں ہونگی ان سے بھی ان کو حصہ ملتا رہے گا۔ درس و تدریس ہوگا، نئی نئی تحریکوں میں جلد از جلد حصہ لینے کا موقع ملے گا۔ پس جماعت کو اس بارہ میں سستی نہیں کرنی چاہئے۔ جس خدا نے مکہ کو برکت دی ہے، جس خدا نے مدینہ کو برکت دی ہے، جس خدا نے قادیان کو برکت دی ہے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اُس کے خزانے میں ابھی بہت سی برکتیں باقی ہیں تم گھبراؤ نہیں خدا تعالیٰ اِس جگہ کو بھی بابرکت بنا دے گا۔ تمہاری نیت یہی ہونی چاہئے کہ تم وہاں جا کر دین کی خدمت کرو۔ جب تم وہ نیت کر لو گے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی، جب تم وہ نیت کر لو گے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی تھی تو تمہیں وہ برکتیں ملیں گی جو اُنہیں ملیں کیونکہ جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کی تکمیل کے لئے کھڑا ہوگا اُس کا کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہوگا۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام خدا تعالیٰ کا کام تھا۔

اس کے بعد میں جماعت کو اس طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں

کہ ہمارے دفاتر ربوہ چلے گئے ہیں۔ دفاتر کے وہاں چلے جانے کے بعد چندے میں یکدم کمی آ گئی ہے اب چونکہ دو جگہیں بن گئی ہیں اِس لئے دوست سمجھتے ہیں کہ جب تمام دفاتر وہاں چلے جائیں گے تب چندے بھیج دیں گے یا پہلے لاہور چل کر پتہ کرلیں پھر چندے بھیجیں گے غالباً اس کے نتیجہ میں ہی چندوں میں کمی واقع ہوگئی ہے اور پچھلے تین مہینہ میں سلسلہ کا ایک لاکھ روپیہ کا نقصان ہوا ہے آخر یہ کام آپ لوگوں نے ہی کرنا ہے اور کسی نے نہیں کرنا۔ چندہ اکٹھا دینا مشکل ہوتا ہے اور قسط وار دینا آسان ہوتا ہے۔ اس لئے میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے چندے جلد از جلد ربوہ میں بھجوانے شروع کر دیں۔ عارضی دفاتر یہاں ہیں اصل دفاتر ربوہ میں ہیں اس لئے جو چندے جمع ہوں اُنہیں جلد از جلد ربوہ میں بھجوا دینا چاہئے۔ اگر چندوں میں اسی طرح سستی ہوتی رہی اور روپیہ نہ آیا تو سلسلہ کے کاموں کو نقصان پہنچے گا اور چونکہ ہم نیا مرکز بنانے والے ہیں اس لئے ہمیں زیادہ روپیہ کی ضرورت ہے کم روپیہ کفایت نہیں کرسکتا۔

اب میں آخری بات جس کی طرف ہماری جماعت کا توجہ کرنا ضروری ہے کہہ کر اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ پہلے مسلمانوں کے پاس اپنا کوئی وطن نہیں تھا لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل سے ایک مقام عطا فرمایا ہے جسے ہم اپنا وطن کہہ سکتے ہیں۔ بیشک ہم کہلاتے تو اُس وقت بھی ہندوستانی تھے لیکن جب ہمارے وطن کی باگ ڈور کسی اور قوم کے ہاتھ میں تھی تو یہ وطن درحقیقت نہ ہونے کے برابر تھا۔ مسلمانوں نے خدا تعالیٰ کے سامنے التجا کی کہ وہ انہیں ایک علیحدہ وطن بخشے اور اس کے لئے اُنہوں نے کوشش بھی کی تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ایک علیحدہ وطن بخش دیا جس کا نام پاکستان رکھا گیا ہے۔ اس وطن کے مل جانے کے بعد ہماری ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ پہلے زمانہ میں اگر کوئی مُلک اِس پر حملہ کرتا تھا یا کسی مُلک سے ہمارے مُلک کی لڑائی ہو جاتی تھی تو ہم کہتے تھے کہ اس مُلک پر انگریز حکومت کرتا ہے اس لئے ہمیں لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ انگریز جائے اور دشمن سے لڑے گویا اُس وقت آسانی کے ساتھ ہم وہی کچھ کہہ سکتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے آپ سے کہا آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کنعان کا مُلک تمہارے لئے مقدر کیا ہوا ہے تم لڑائی کرو اور مُلک لے لو۔ موسیٰ علیہ السلام کی

قوم نے جواب دیا کہ جب خدا تعالیٰ کا ہم سے وعدہ ہے کہ وہ ہمیں یہ مُلک دے گا تو پھر ہمیں لڑائی کے لئے کیوں کہا جاتا ہے تو جا اور تیرا خدا دونوں لڑو اور اس مُلک کو حاصل کرو جب یہ مُلک فتح ہو جائے گا تو ہم اس میں داخل ہو جائیں گے۔ وہ بیوقوف یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ اُنہی کا کام تھا خدا تعالیٰ کا اس میں کوئی فائدہ نہیں تھا لیکن بہرحال جب ہندوستان پر انگریز کی حکومت تھی اس وقت یہ کہا جا سکتا تھا کہ انگریز ہم پر حکومت کرتا ہے وہ لڑتا پھرے ہم تو اسے ٹیکس ادا کر دیتے ہیں ہمیں لڑنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اب خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمیں ایک وطن مل گیا ہے اور اس نئے وطن کے مل جانے کے بعد ہماری ذمہ داریاں بدل گئی ہیں اب اس کی حفاظت انگریز کے ذمہ نہیں۔ اب انگریز کی اِس مُلک پر حکومت نہیں کہ وہ جائے اور دشمن سے لڑے۔ اب اس مُلک پر ہماری حکومت ہے اور اس کی حفاظت کے لئے ان لوگوں کو ہی لڑنا پڑے گا جو اس میں بستے ہیں اور جن کا یہ وطن ہے۔ دیکھو! جس شخص کا بچہ بیمار ہوتا ہے وہی اس کا علاج کرتا ہے جس کا گھر ٹپکتا ہے وہی اس پر مٹی ڈالتا ہے جس پر کوئی درندہ حملہ کرتا ہے اسی کو دفاع کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے لوگ اگر اُس کی مدد کے لئے آ جائیں تو یہ ان کا احسان ہو گا لیکن اصل ذمہ داری اُسی کی ہو گی۔ بہرحال مسلمانوں کو ایک وطن مل گیا ہے جس کو وہ اپنا وطن کہہ سکتے ہیں اور اس کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری اخلاقی اور مادی طور پر مسلمانوں پر ہی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ محفوظ مُلک نہیں۔

میں اِس وقت تفصیل کے ساتھ یہ نہیں بتا سکتا کہ پاکستان کو کیا کیا خطرات درپیش ہیں لیکن ظاہر ہے کہ تقسیم کے بعد پاکستان کی آبادی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ اس کی کثیر آبادی مشرقی پاکستان میں ہے اور قلیل آبادی مغربی پاکستان میں ہے۔ مغربی پاکستان کی آبادی تین کروڑ سے کچھ زیادہ اور مشرقی پاکستان کی آبادو ی چار کروڑ سے کچھ کم ہے لیکن مشرقی پاکستان کی جو آبادی ہے وہ جنگی نہیں۔ ایک لمبے عرصے سے وہ لوگ فنونِ جنگ سے بے بہرہ ہیں۔ اُن میں وہ جرأت اور بہادری نہیں پائی جاتی جو ایک آزاد قوم میں پائی جانی ضروری ہے لیکن اُس میں بعض معدنیات اور بعض زرعی اشیاء ایسی پائی جاتی ہیں جن کے بغیر پاکستان زندہ نہیں رہ سکتا۔ جوٹ اور بعض دھاتیں جو وہاں پائی جاتی ہیں ایسی ہیں جو صرف پاکستان کے خزانے کو ہی

مضبوط کرنے والی نہیں بلکہ اس کے خارجی تعلقات کو بھی مضبوط کرنے والی ہیں اگر مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے کٹ جائے تو مغربی پاکستان کا قیام نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ بے شک مغربی پاکستان میں بھی زرعی اشیاء اور قیمتی دھاتیں پائی جاتی ہیں مگر اُس کی آبادی اتنی تھوڑی ہے کہ وہ بڑی آبادی والے مُلکوں کے مقابلہ میں جیت نہیں سکتا۔ پھر اس زمانہ میں جب کہ جمہوریت قائم ہو چکی ہے اور لڑائی صرف بادشاہوں اور سپاہیوں کی ہی نہیں ہوتی بلکہ مُلک کے ہر فرد کو لڑائی میں حصہ لینا پڑتا ہے کسی مُلک کی آبادی کا کم ہونا اس کے لئے نہایت مضر ہے۔ چنانچہ نئے تغیرات کے بعد آبادی کی زیادتی کی قیمت بجائے اس کے کہ وہ کم ہوتی پہلے سے بڑھ گئی ہے۔ پُرانے زمانے میں چھوٹے چھوٹے مُلک اُٹھتے تھے اور بڑے بڑے ممالک پر فتح حاصل کر لیتے تھے کیونکہ اُس وقت صرف بادشاہوں اور سپاہیوں کی لڑائی ہوتی تھی مُلک کے ہر فرد کو لڑائی میں حصہ نہیں لینا پڑتا تھا کسی مُلک کی فوج کا تعداد میں زیادہ ہونا اور مضبوط ہونا ہی اُس کی فتح کے لئے کافی ہوتا تھا۔ یونان کی آبادی کتنی تھوڑی تھی۔ دس بارہ لاکھ سے زیادہ نہ تھی لیکن وہاں سے سکندر نکلا اور اس نے عرب اور مصر اور عراق اور ایران اور افغانستان وغیرہ ممالک کو فتح کر لیا اور اس کے بعد ہندوستان کو بھی فتح کر لیا۔ غرض ایک دس بارہ لاکھ کی آبادی والے مُلک نے کروڑوں کروڑ کی آبادی والے مُلکوں کو فتح کر لیا۔ اِسی طرح مغل نکلے۔ مغلوں کی دو قومیں تھیں۔ برلاس اور چغتائی۔ پہلے چغتائی نکلے اور اُنہوں نے ایک طرف جہاں یورپ کو فتح کر لیا وہاں دوسری طرف وہ چین کے انتہائی کناروں تک پہنچ گئے اور جاپان پر بھی قابض ہو گئے حالانکہ ان کی اپنی آبادی صرف دو تین لاکھ تھی۔ پھر برلاس نکلے اُن کی آبادی بھی دو تین لاکھ سے زیادہ نہ تھی مگر اُنہوں نے کروڑوں کروڑ کی آبادی رکھنے والے ممالک کو فتح کر لیا۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اُس زمانہ میں صرف بادشاہ لڑتے تھے اُن کی رعایا نہیں لڑتی تھی۔ بادشاہ جتنی فوج رکھتا تھا اگر وہ شکست کھا جاتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ مُلک شکست کھا گیا اور اگر فوج جیت جاتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ مُلک فتح پا گیا۔ مثلاً ہندوستان کے بادشاہ کے پاس پچاس ہزار کی فوج ہے اگر کوئی دوسرا قبیلہ اُٹھتا ہے اور اس کی فوج پچاس ہزار ہے یا کچھ زیادہ ہے تو پُرانے زمانہ کے دستور کے مطابق وہ

ہندوستان پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے کیونکہ ہندوستان کی فوج بھی پچاس ہزار ہے اور اس قبیلہ کی فوج بھی پچاس ہزار ہے خواہ اس کی اپنی آبادی دو لاکھ کی ہو اور ہندوستان کی آبادی دس کروڑ ہو لیکن اب صرف حکومت ہی نہیں لڑتی بلکہ مُلک لڑتا ہے۔ حکومت اب عوام کے ہاتھ میں چلی گئی ہے اور چونکہ اب حکومت عوام کے ہاتھ میں چلی گئی ہے اس لئے جب کسی مُلک کی دوسرے سے لڑائی ہو جاتی ہے تو اس کا ہر فرد لڑائی کیلئے تیار ہو جاتا ہے اس لئے اب آبادی کی بڑی قیمت ہے۔ اگر کسی مُلک کی آبادی دو کروڑ ہو اور وہاں جمہوریت قائم ہو تو جب کبھی اس کی دوسرے مُلک سے لڑائی ہوگی اُس کا ہر فرد لڑائی کے لئے تیار ہو جائے گا۔ یہ چیز پہلے زمانہ میں نہیں ہوتی تھی۔

اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے تم یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ تمہارے ایک ہمسایہ مُلک کی آبادی تیس کروڑ ہے اور مغربی پاکستان کی آبادی صرف سَوا تین کروڑ ہے گویا مغربی پاکستان کے ایک آدمی کے مقابلہ میں ہندوستان کے پاس دس آدمی ہیں۔ اگر جمہوریت کی کوئی جنگ ہوئی ہم نہیں جانتے کہ جنگ ہوگی بھی یا نہیں لیکن وہ آدمی بے وقوف ہوتا ہے جو امکانات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اگر جمہوریت کی جنگ ہوئی تو یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ ہندوستان کے پاس ڈیڑھ لاکھ کی فوج ہے اور پاکستان کے پاس اسّی ہزار، اور ہوسکتا ہے کہ اسّی ہزار ڈیڑھ لاکھ پر غالب آ جائے بلکہ اس وقت ہمارے مقابلہ میں ہندوستان کی تیس کروڑ کی آبادی ہوگی۔ اگر مغربی پاکستان کا ہر ایک فرد جنگ کے لئے تیار ہو جائے تو اس کی کل آبادی سَوا تین کروڑ ہے۔ اگر یہاں کے سب کے سب افراد لڑائی کے لئے پوری طرح تیار ہو جائیں تو یہ سوا تین کروڑ تیس کروڑ کے مقابلہ میں ہوگا اور اگر سب نے اپنی ذمہ داری کو نہ سمجھا۔ ان کے اندر قربانی کا احساس پیدا نہ ہوا، ان کے اندر اپنے مُلک کی حفاظت کے لئے جوش پیدا نہ ہوا بلکہ ان میں سے نصف کے اندر یہ بات پیدا ہوئی تو صرف ڈیڑھ کروڑ تیس کروڑ کے مقابلہ میں ہوگا اور اگر صرف چوتھائی حصہ میں یہ بات پیدا ہوئی تو ہمارے پاس صرف پچھتر لاکھ آدمی لڑنے والا ہوگا۔ اس کیفیت کو سمجھو اور غور کرو کہ تمہیں کس قسم کی قربانی کی ضرورت ہے اگر تم میں سے ہر ایک شخص یہ فیصلہ کر لے کہ اُسے اپنے مُلک کی خاطر اگر کوئی قربانی کرنی پڑی تو وہ اس

سے کوئی دریغ نہیں کرے گا اور وہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنے مُلک کو آزاد رکھنے کیلئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہوگا۔ تب بھی ہندوستان کی تیس کروڑ آبادی کے مقابلہ میں ہمارا صرف تین کروڑ ہوگا یہ بھی ایک غیر طبعی مقابلہ ہے مگر بہرحال اتنی بات تو ہے کہ ایک اور پونے دس کی نسبت ہوگی۔ دُنیوی تدبیر کے لحاظ سے یہ نقطۂ نگاہ ہماری تسلی کا موجب نہیں ہوسکتا لیکن ایک اور امر ایسا ہے جو ہمارے لئے تسلی کا موجب ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ اگر تم سچے مؤمن بن جاؤ تو تم میں سے ایک مؤمن دس کافروں پر غالب آ سکتا ہے۔ اب اگر سَوا تین کروڑ آدمی کے اندر اسلام کا حقیقی درد ہو اور وہ اپنے اندر جرأت اور ایثار پیدا کر لیں، اگر وہ اپنے اندر قربانی کی روح پیدا کر لیں تو یہ سَوا تین کروڑ پینتیس کروڑ کافروں پر غالب آ سکتے ہیں گویا اگر ہمارے لئے کامیابی کی کوئی مادی صورت موجود نہیں تو روحانی صورت ضرور موجود ہے۔ اگر تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ ایک دس پر غالب آیا ہو تو قرآن کریم کی ایک آیت ضرور کہتی ہے کہ اگر تم سچے مؤمن بن جاؤ تو تم قلیل ہو کر کثیر پر غالب آ سکتے ہو۔ قرآن کریم کے یہ الفاظ ہمیں بتاتے ہیں کہ اگر ہم سچے طور پر کوشش کریں اور اسلام کے اصول کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں تو ہم اپنے ہمسایوں پر غالب آ سکتے ہیں۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر بیداری پیدا کریں اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کریں ہم کبھی یہ اُمید نہیں کر سکتے کہ ہم سارا وقت سینماؤں اور گانوں میں لگا دیں لیکن لڑائی کے وقت فرشتے ہماری پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر ہمیں دشمن پر غلبہ دے دیں گے۔ جیسے پُرانے زمانوں میں فقیروں کا دستور تھا کہ جب کوئی فقیر آ کر پیسہ مانگتا اور دوسرا شخص انکار کر دیتا تو وہ کہتا تھا۔ اُلٹا دوں چودہ طبق۔ حالانکہ اگر چودہ طبق اس کے قبضہ میں ہوتے تو وہ پیسہ پیسہ کیوں مانگتا۔ اسی طرح اگر ہم بھی یہ سمجھتے رہیں گے کہ فرشتے اُتریں گے اور وہ فنونِ جنگ کا علم ہمارے سینوں میں بھر دیں گے تو یہ ایک نامعقول بات ہوگی اگر دنیا میں پہلے کبھی ایسا ہوا ہوتا تب بھی کوئی بات تھی لیکن اگر ایسا کبھی نہیں ہوا تو ہمیں بھی وہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اختیار کیا تھا، ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا جو عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اختیار کیا تھا، ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں صحابہؓ نے

اختیار کیا تھا ہمیں اس قسم کے واقعات آنے سے پہلے ہر قسم کی تیاری کرنی پڑے گی۔ اگر ہم پہلے سے تیاری نہیں کرتے اور عین وقت پر خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں تو اس کے فرشتے ہم پر لعنت بھیجیں گے اور کہیں گے کہ تم خدا تعالیٰ کا نام گستاخی سے لیتے ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ باوجود اس کے کہ آپ سارا دن دینی کاموں میں مصروف رہتے تھے، سارا دن آپ مقدمات کے فیصلوں میں خرچ کر دیتے تھے۔ سارا دن آپ عبادت میں لگا دیتے تھے تو پھر بھی آپ کوئی نہ کوئی ایسا وقت نکال لیتے تھے جس میں آپ صحابہ سے پریڈ کروایا کرتے تھے، آپ ان سے تیر اندازی کرواتے اور انہیں فوجی ٹریننگ دیتے بلکہ بعض دفعہ آپ کو باہر جانے کی فرصت نہیں ہوتی تھی تو آپ مسجد میں ہی یہ مشق کروا لیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے بخاری میں روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن آپ سے فرمایا۔ عائشہ! کیا تم نے تماشہ دیکھنا ہے اگر تم تماشہ دیکھنا چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہاں یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ دروازے میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا عائشہ! میرے پیچھے کھڑی ہو جاؤ اور میری گردن کے پاس سے دیکھو۔ پھر آپ نے حبشی اور عرب قبائل کی مصنوعی لڑائی مجھے دکھائی [11]۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بھی یہ چیزیں سکھاتے رہتے تھے۔ اب تو کئی ایسے ذرائع نکل آئے ہیں جن سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے مثلاً ہوم گارڈ ہے، نیشنل گارڈ ہے ان کے ذریعہ جو شخص چاہے فوجی تربیت حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص لڑائی کے فنون سیکھے گا تو وقت پر یہ اُس کے کام آ سکیں گے اِس کے علاوہ جس کو بھی اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ لائسنس حاصل کرے اور بندوق چلانے کی مشق کرے۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ بندوق خرید لیتے ہیں لیکن وہ چلا نہیں سکتے۔ قادیان پر جن دنوں حملہ ہوا ہے اُن دنوں ہم نے دریافت کیا کہ کن کن لوگوں کے پاس لائسنس ہیں جب ہم کسی سے پوچھتے تھے کہ کیا تمہارے پاس لائسنس ہے؟ تو وہ جواب دیتا تھا جی ہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہے جب ہم پوچھتے تھے کیا تمہارے پاس بندوق ہے؟ تو وہ جواب دیتا تھا جی ہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہے۔ لیکن جب ہم پوچھتے کہ کیا کارتوس ہیں؟ تو وہ جواب دیتا جی کارتوس تو نہیں۔ جب کارتوس نہیں تو تم نے لڑنا کس چیز سے ہے۔ اگر کارتوس نہ ہوں تو

بندوق اور لٹھ میں کیا فرق ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ شاید بندوق آپ ہی آپ چلا کرتی ہے۔ جب کارتوس نہیں ہونگے تو نشانہ بازی کیسے کی جاسکتی ہے اور جب تک بندوق چلائی نہ جائے مشق کیسے ہوسکتی ہے۔ میں بچپن سے ہی بندوق چلاتا آرہا ہوں اب کبھی کبھی ناغہ ہو جاتا ہے۔ اپنے وقت میں میں نے پستول کے ساتھ جانور مارے ہیں لیکن کچھ دن اگر گزر جائیں تو نشانہ درست نہیں رہتا۔ اس دفعہ جب میں کوئٹہ گیا تو میں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ آؤ تمہیں نشانہ سکھائیں۔ مجھے چونکہ مشق کئے دیر ہوچکی تھی اور وہ صبح شام مشق کرتی رہیں تیسرے چوتھے دن میری بیٹی نے مجھے بڑی شکست دی میں نے سمجھا کہ میری بیٹی دل میں کہتی ہوگی کہ ابا جان یونہی کہتے رہتے ہیں کہ ہم یوں نشانہ بازی کیا کرتے تھے اصل بات یہ ہے کہ اس کام کے لئے مشق کی ضرورت ہے۔ پس تم ہتھیار لو تو مشق کرو لیکن اس طرح کی مشق نہیں جیسے زمیندار مشق کیا کرتے ہیں۔ زمیندار ہمیشہ اپنے بنے کے شریک پر مشق کیا کرتے ہیں تم بیشک مشق کرو لیکن درخت اور دیوار وغیرہ پر کرو۔ کسی آدمی کے سینہ پر نہ کرو اور اگر کسی آدمی کے سینہ پر ہی کرنی ہے تو پھر وقت آنے پر دشمن کے سینہ پر کرنا پہلے نہ کرنا۔

ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ آجکل بعض لوگوں کی طرف سے یہ سوال اُٹھایا جا رہا ہے کہ کشمیر کی جنگ جہاد ہے یا نہیں؟ قطع نظر اس کے کہ یہ سوال کتنی اہمیت رکھتا ہے دیکھنا یہ ہے کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمیں کشمیر سے ہمدردی ہے اور یہ لڑائی جہاد ہے وہ خود اس میں حصہ کیوں نہیں لیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ پنجابیوں نے اس میں بہت کم حصہ لیا ہے حکومت کی طرف سے کام کرنے والوں کے علاوہ سوائے ایک مثال کے اور کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی جماعت یا فرقہ نے طوعی طور پر کشمیر کی مدد کی ہو۔ بڑا کام یہی سمجھا جاتا ہے کہ جلسہ کیا۔ چند ریزولیوشن پاس کئے اور ''غلام عباس زندہ باد'' اور ''سردار ابراہیم زندہ باد'' کے نعرے لگائے اور سمجھ لیا کہ یہ پچیس پاؤنڈر توپیں ہیں جو دشمن کے خلاف کام کر رہی ہیں حالانکہ جب تک تم کشمیر میں جاکر اور لڑائی میں حصہ لے کر ہندوستانیوں کو مردہ باد نہیں کر لیتے یہ لوگ ''زندہ باد'' کیسے ہو سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طریق پر جنگ جاری ہے اور جس طرح وہ لمبی ہو رہی ہے میں تفصیل میں تو نہیں جانا چاہتا لیکن پھر بھی میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ صورتِ حالات نہایت ہی خطرناک

ہے۔ اگر اب بھی تم نے اپنی ذمہ داریوں کو نہ سمجھا تو تم اس سے بھی زیادہ حسرت کے ساتھ اپنے ہاتھ ملو گے جس قدر حسرت کے ساتھ تم نے مشرقی پنجاب میں اپنے ہاتھ ملے تھے۔ اِس وقت بجائے اس کے کہ کشمیر کی مدد کی جاتی یہ بحثیں شروع ہوگئی ہیں کہ آیا کشمیر کی جنگ جہاد ہے یا نہیں۔ گویا جہاد کے سِوا وہ اور کوئی کام ہی نہیں کرتے۔ روٹی کھانا کیا جہاد ہے مگر کیا تم کھاتے ہو یا نہیں؟ پھر پانی پینا کیا جہاد ہے مگر دن اور رات میں تم کتنے گلاس پانی کے پی جاتے ہو۔ پھر لسّی اور دودھ پینا کیا جہاد ہے جب تمہیں کوئی شخص لسّی یا دودھ دیتا ہے تو تم یہ نہیں کہتے کہ پھینکو پَرے یہ جہاد نہیں بلکہ کہتے ہو لاؤ بِسْمِ اللّٰہِ ۔ پھر تم بچے کو پیار کرتے ہو جب تم یہ کام کرتے ہو اور یہ کبھی سوال نہیں اُٹھاتے کہ یہ کام جہاد ہے یا نہیں تو اس لڑائی کے وقت جہاد کا سوال کرنا کون سی عقلمندی ہے۔ تم پانی پیتے ہو اس لئے کہ اگر تم پانی نہیں پیو گے تو پیاسے مر جاؤ گے، تم روٹی کھاتے ہو اس لئے کہ اگر تم روٹی نہیں کھاؤ گے تو بھوکے مر جاؤ گے، تم کپڑے پہنتے ہو اس لئے کہ اگر تم کپڑے نہیں پہنو گے تو تم ننگے ہو جاؤ گے لیکن اگر تم اس لڑائی میں شامل نہ ہوئے تو کیا خیریت رہے گی؟ اگر خیریت رہے گی تو بے شک تم یہ کام نہ کرو لیکن اگر خیریت نہیں رہے گی تو جہاد کا سوال ہی کیا ہے۔ تم روزانہ سینکڑوں کام کرتے ہو مگر کیا انہیں جہاد سمجھ کر کرتے ہو۔ تم صبح ہی اُٹھتے ہو تو اگر تمہیں حقہ کی عادت ہے تو حقہ لے کر اُسے تازہ کرتے ہو کیا یہ جہاد ہے، پھر اپنے جانوروں کو چارہ ڈالتے ہو کیا یہ جہاد ہے، پھر ہل چلاتے ہو کیا یہ جہاد ہے، پھر اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر گپیں ہانکتے ہو کیا یہ جہاد ہے، پھر اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ پیار کرتے ہو کیا یہ جہاد ہے، پھر اگر تمہارا کوئی دوست یا رشتہ دار کوئی تحفہ لاتا ہے تو تم اُسے قبول کرتے ہو کیا یہ جہاد ہے، تم پاخانہ کرتے ہو کیا یہ جہاد ہے، تم نہاتے ہو کیا یہ جہاد ہے، تم کپڑے دھوتے ہو کیا یہ جہاد ہے، تم تیل لگاتے ہو، تم کنگھی کرتے ہو، تم مسواک کرتے ہو کیا یہ جہاد ہے، اگر تم اپنے دن بھر کے کام گننے لگو تو وہ کروڑوں بن جاتے ہیں مگر کیا تم یہ سب کام جہاد سمجھ کر کرتے ہو۔ جب اپنی ضرورت آتی ہے تو تم وہ کام کر لیتے ہو اور کہتے ہو کہ ہماری عقل یہ کہتی ہے کہ یہ کام کرنا چاہئے اور تم یہ سوال نہیں کرتے کہ آیا یہ جہاد ہے یا نہیں۔ اگر جہاد ہے تو ہم کریں گے اور اگر جہاد نہیں تو نہیں کریں گے مگر جب خدا تعالیٰ کا سوال آتا ہے، جب اسلام کا

سوال آتا ہے، جب قوم اور وطن کا سوال آتا ہے تو تم پوچھتے ہو کہ آیا یہ جہاد ہے؟ گویا تم نے اپنی ساری عمر میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جو جہاد نہیں تھا۔ تم نے جو کام بھی کیا ہے اُسے جہاد سمجھ کر ہی کیا ہے۔ جب سے تمہیں ہوش آئی ہے تم کافر ہی مارتے رہے ہو۔ یہ کتنی بڑی شرم کی بات ہے کہ جب قوم اور وطن کے لئے قربانی کرنے کا سوال آیا تو تم پوچھتے ہو کیا یہ جہاد ہے؟ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ کشمیر کی جنگ میں وہ شرطیں نہیں پائی جاتیں جن شرائط کے پائے جانے سے یہ جہاد کہلاسکتی ہے مثلاً جہاد کی یہ شرط ہے کہ ایک امام ہو مگر یہاں کوئی امام نہیں۔ مگر یہ سوال تو تب ہوسکتا تھا جب تمہارے سب کام جہاد کے مطابق ہوتے۔ جب تم سب کام عقل کے ساتھ کرتے ہو اور یہ سمجھ کر نہیں کرتے کہ یہ جہاد ہے تو یہاں اس سوال کی کیا ضرورت ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ وَ عِرْضِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ**[۱۲] جو شخص اپنے مال کو اور اپنی عزت کو بچاتے ہوئے مارا جاتا ہے وہ شہید ہے۔ آپ نے اس لڑائی کو جہاد نہیں کہا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے مال یا اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔ تم میں سے ہر وہ شخص جو اپنی بیوی کی عزت کی حفاظت کرتا ہوا یا اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہوا مارا جاتا ہے وہ یقیناً شہید ہے۔ جو لوگ مشرقی پنجاب سے اپنی بیویوں، بیٹیوں، بہنوں اور ماؤں کو بچا کر لے آئے ہیں میں اُن پر کوئی اعتراض نہیں کرتا مگر جو لوگ اُنہیں وہیں چھوڑ کر آئے ہیں میں اُن سے کہتا ہوں کہ کیا آپ لوگوں کی رگِ حمیت اب بھی نہیں پھڑکی؟ آخر تم میں سے کتنے ہیں جو اپنے وطن کی خاطر یا اپنی قوم کی خاطر لڑائی کیلئے کشمیر جارہے ہیں اگر اس میں جہاد سے کم ثواب ہے تو کیا لوگ ہر اُس کام کو جس کا ثواب تھوڑا ہو چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا ہے اُسے زیادہ ثواب ملتا ہے۔[۱۳] اب اگر جماعت کے ساتھ نماز نہ ملے تو کیا تم نماز نہیں پڑھا کرتے؟ کیا تم نماز چھوڑ دیا کرتے ہو؟ پھر فرض لیں، کیا تم فرضوں کی وجہ سے سنتوں کو چھوڑ دیا کرتے ہو اس لئے کہ اُن کا ثواب کم ہے یا کیا تم سنتوں کی وجہ سے نوافل کو چھوڑ دیا کرتے ہو اس لئے کہ اُن کا ثواب کم ہوتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ ساری چیزیں ہی اپنی اپنی جگہ پر ضروری ہیں اور وہ اپنے اپنے رنگ میں اہم ہیں پھر یہاں کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ ہم تھوڑے

ثواب کو کیا کریں جہاد ہوتا تو شامل ہوتے۔

صحابہؓ میں تو ثواب حاصل کرنے کے لئے خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت اتنا خیال پایا جاتا تھا کہ ایک دفعہ ایک جنازہ ہوا۔ جنازہ کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو ایک صحابیؓ نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے۔ آپ فرماتے تھے اگر کوئی شخص جنازہ میں شامل ہوا اور نماز جنازہ پڑھے تو اُسے اُحد کے برابر ایک قیراط کا ثواب ملتا ہے اور اگر کوئی شخص جنازہ کو کندھا بھی دے، قبرستان تک ساتھ جائے اور میت کے دفن ہونے تک وہیں رہے تو اسے دو قیراط کا ثواب ہوتا ہے۔ یہ بات سن کر ایک اور صحابیؓ نے غصہ سے کہا۔ آپ نے ہمیں یہ بات اتنا عرصہ کیوں نہ بتائی۔ معلوم نہیں ہم نے کتنے قیراط ثواب ضائع کر دیا ہے۔[۱۴] یہ چیز تھی جو صحابہؓ میں پائی جاتی تھی وہ چھوٹے سے چھوٹے ثواب کو بھی چھوڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔ پس یہ غلط بات ہے کہ ہر ایک چیز کا انتہائی ثواب ہی ہو۔ تبھی اُسے کیا جائے، جب کسی چیز کا انتہائی ثواب نہیں ہوگا ہم اس میں حصہ نہیں لیں گے۔ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ وَ عِرْضِہٖ فَھُوَشَھِیْدٌ ۔ جو شخص اپنے مال یا عزت کو بچاتے ہوئے مارا جاتا ہے وہ شہید ہے۔ اسی طرح فرمایا حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ [۱۵] وطن سے محبت رکھنا بھی ایمان میں داخل ہے۔ پس جو شخص وطن کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے گا وہ گویا ایمان کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید ہوگا۔ پس وہ جہاد جو مخصوص حالات اور زمانوں میں ہوتا ہے اس کے علاوہ جب ہم اور کئی کام کرتے ہیں، جہاد میسر نہ آنے پر بھی ہم روٹی کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں، اپنے بیوی بچوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کے علاوہ دن اور رات میں سینکڑوں کام کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کام کے متعلق بھی ہم یہ سوال نہیں کرتے کہ آیا یہ جہاد ہے یا نہیں تو اب اگر وطن کی حفاظت کا سوال آنے پر ہم مختلف قسم کے بہانے بناتے ہیں تو ہم بہانہ خور ہیں۔ ہم یقیناً جھوٹے ہیں سچے نہیں، ہم بے وقوف ہیں عقلمند نہیں اور یہ محض ایک ایسا بودا عذر ہے جس میں ذرّہ بھر بھی حقیقت نہیں پائی جاتی۔

اب ہماری جماعت کو خصوصاً یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارا نظریہ اب بدل جانا چاہئے۔ ایک وقت تھا جب چندہ دینے سے تمہارا فرض ادا ہو جاتا تھا، ایک وقت تھا جب نماز پڑھنے سے تمہارا

فرض ادا ہو جاتا تھا لیکن اب صرف نماز پڑھ لینے سے تمہارا فرض ادا نہیں ہوگا، اب صرف زکوٰۃ دینے سے تمہارا فرض ادا نہیں ہوگا، اب صرف حج کر لینے سے تمہارا فرض ادا نہیں ہوگا اب تمہارے سپرد ایک چیز کی گئی ہے جس کی حفاظت کے لئے تم سے تمہاری جانوں کا مطالبہ کیا جائے گا اور مالی قربانیوں کے علاوہ تمہیں جانی قربانیاں بھی دینی پڑیں گی اور جو شخص اس سے گریز کرتا ہے یا جو شخص موت سے ڈرتا ہے اس کا ایمان ہرگز کامل نہیں اس کا ایمان ناقص ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی امید نہیں کرسکتا۔ مؤمن کے لئے جان کی قربانی پیش کرنا درحقیقت چیز ہی کوئی نہیں ہے۔ غالب کے متعلق لوگ بحثیں کرتے ہیں کہ وہ شراب پیا کرتا تھا یا نہیں۔ مگر میرا تو وہ رشتہ دار ہے اور میں نے اپنی نانیوں اور پھوپھیوں سے سنا ہوا ہے کہ وہ شراب پیتا تھا۔ ایسا شخص جو شراب کا عادی تھا وہ بھی کہتا ہے۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یعنی اگر ہم خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دیتے ہیں تو کیا ہوا یہ جان بھی تو اُسی کی دی ہوئی تھی۔ پس خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اگر کوئی شخص جان بھی دے دیتا ہے تو وہ کوئی بڑی قربانی نہیں کرتا کیونکہ وہ جان بھی اُسی کی چیز ہے اور کسی کی امانت کو واپس کر دینا بڑی قربانی نہیں ہوتا۔

احادیث میں ایک صحابیہؓ کا قصہ آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے شوہر کو کسی اسلامی خدمت کے سلسلہ میں باہر بھیجا۔ اُن کا بچہ بیمار تھا اور اُنہیں اپنے بچہ کی بیماری کا قدرتی طور پر فکر تھا وہ صحابی جب واپس آئے تو ان کی غیر حاضری میں اُن کا بچہ فوت ہو چکا تھا۔ ماں نے اپنے مردہ بچہ پر کپڑا ڈال دیا۔ وہ نہائی دھوئی اور خوشبو لگائی اور بڑے حوصلے کے ساتھ اس نے اپنے خاوند کا استقبال کیا۔ وہ صحابی جب گھر آئے تو اُنہوں نے آتے ہی سوال کیا کہ بچے کا کیا حال ہے۔ اس صحابیہ نے جواب دیا۔ بالکل آرام ہے۔ اُنہوں نے کھانا کھایا پھر تسلی کے ساتھ آرام سے لیٹ گئے اور تعلقاتِ زوجیت بھی پورے کئے۔ جب وہ اپنی بیوی سے مباشرت کر چکے تو بیوی نے کہا میں آپ سے ایک بات دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ خاوند نے جواب دیا کیا؟ بیوی نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی کے پاس امانت رکھ جائے اور کچھ عرصہ کے

بعد وہ چیز واپس لینا چاہے تو کیا وہ چیز اُسے واپس کی جائے یا نہ کی جائے؟ اُنہوں نے جواب دیا وہ کون بے وقوف ہوگا جو کسی کی امانت کو واپس نہیں کرے گا۔ بیوی نے کہا۔ آخر اُسے افسوس تو ہوگا کہ میں امانت واپس کر رہا ہوں۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ افسوس کس بات کا وہ چیز اُس کی اپنی نہیں تھی اگر وہ اُسے واپس کر دے تو اُسے کیا افسوس ہوسکتا ہے۔ بیوی نے کہا اچھا! اگر یہ بات ہے تو ہمارا بچہ جو خدا تعالیٰ کی ایک امانت تھی اُسے خدا تعالیٰ نے ہم سے واپس لے لیا ہے۔[۱۶] یہ حوصلہ تھا جو اُس وقت کی عورتوں میں پایا جاتا تھا۔ پس جان کا دے دینا تو کوئی چیز ہی نہیں۔ خصوصاً مؤمن کے لئے تو یہ معمولی بات ہوتی ہے۔

ہم جہاد کے متعلق بتایا کرتے تھے کہ موجود حالات میں شرعاً جائز نہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اس کے نتیجہ میں بعض لوگ بُزدل بن گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے جہاد کو مسئلہ کی وجہ سے نہیں چھوڑا تھا بلکہ بُزدلی کی وجہ سے چھوڑا تھا۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہم نے جہاد کو محض مسئلہ کی وجہ سے چھوڑا تھا اور جب کہ ہم محض شرعی مسئلہ کی وجہ سے جہاد کو ممنوع قرار دیتے تھے تو اب لوگوں کو خوش ہونا چاہئے تھا کہ وہ روکیں جو اُن کے رستہ میں حائل تھیں دور ہو گئی ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ بجائے خوش ہونے کے رو رہے ہیں یہ میں جانتا ہوں کہ آئندہ کیا ہوگا۔ پہلے تم چندہ نہیں دیتے تھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان کیا کہ تم تین ماہ میں صرف ایک دھیلہ بطور چندہ دیا کرو۔ اُس وقت لوگ دھیلہ بھی روتے روتے دیتے تھے پھر ایسا مزہ آیا کہ تم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا کہ دھیلہ کی بجائے آپ پیسہ چندہ کر دیجئے پھر تم نے کہا سہ ماہی کی شرط نہیں ہونی چاہئے یہ چندہ ماہوار ہونا چاہئے۔ پھر یہ چندہ پیسہ سے دو پیسہ ہوا اور دو پیسہ سے تین پیسہ ہوا اور اب جماعت میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو اپنی ماہوار آمد کا پچاس فیصدی چندہ دیتے ہیں۔ پس میں جانتا ہوں کہ ان کمزوریوں کی آہستہ آہستہ اصلاح ہو جاتی ہے اور وہ دن ضرور آئے گا جب تم یہ کہو گے کہ جان دینے میں تو کوئی خاص مزہ نہیں آتا کوئی اس سے بھی بڑی قربانی ہونی چاہئے۔ بہرحال اِس دن کے آنے پر میرا فرض ہے کہ میں جماعت کو توجہ دلاؤں کہ وہ اپنی بُزدلی کو دور کرے اور اپنے اندر جرأت، بہادری اور حوصلہ پیدا کرے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ لوگوں کی کیا

کیفیت ہے مگر ہم جب تاریخ اسلام پڑھا کرتے تھے تو ہمارے اندر ایک جوش پیدا ہوتا تھا کہ کاش! ہم بھی اُس وقت ہوتے اور اس قسم کی قربانیاں کرتے پھر ہماری زندگی میں ہی خدا تعالیٰ نے ایسا موقع دے دیا ہے جب ہم وہی قربانیاں پیش کر سکتے ہیں جو صحابہ نے اپنے وقت میں کیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگوں میں یہ جوش نہیں پایا جاتا جو لوگ راسخ الایمان ہیں ان میں بے شک یہ نمونہ بھی پایا جاتا ہے۔

ایک دوست نے مجھے بتایا کہ ایک جگہ ہم نے کشمیر میں جانے کے لئے احمدیوں میں تحریک کی اور بتایا کہ یہ مُلکی سوال ہے وہاں ضرور جانا چاہئے اس پر ایک بیوہ نے جس کا ایک ہی بچہ تھا سوال کیا کہ کیا یہ ہمارا دینی فرض ہے؟ اِس پر اُس دوست نے کہا اِس وقت حفاظت اسلام کا سوال ہے اور وہاں جانا ضروری ہے۔ اِس پر اُس بیوہ نے اپنے اکلوتے بچے کو آواز دی اور کہا او فلانے! تو بولتا کیوں نہیں دین کے لئے تمہاری جان کی ضرورت ہے اور تو چپ بیٹھا ہے۔ اس دوست نے بتایا کہ اس بیوہ نے اُسی وقت اپنے اکلوتے بچے کو کشمیر کے لئے بھیج دیا۔ اسی طرح ایک اور عورت کے متعلق جس کے دو بیٹے اور دو پوتے تھے ایک دوست نے بتایا کہ جب ہم نے اُسے تحریک کی کہ اِس وقت اسلام کی خاطر جان کی قربانی کی ضرورت ہے تو وہ عورت اُس وقت گھر سے باہر کھڑی تھی اُس نے اپنے دونوں بیٹوں اور دونوں پوتوں کو آواز دے کر کہا جب تک تم سب کشمیر چلے نہیں جاؤ گے میں گھر میں داخل نہیں ہونگی۔ کہنے والا کہتا ہے کہ ہم نے کہا چاروں نہیں ہم فی الحال دو کو لے جاتے ہیں مگر اُس عورت نے بڑے اصرار سے کہا نہیں چاروں کو لے جاؤ۔ مگر جب ہم چاروں کے لے جانے پر رضامند نہ ہوئے تو اس نے کہا۔ اچھا دونوں کو لے جاؤ۔ یہ چیز ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ درحقیقت جذبۂ نیک، جذبۂ نیک پیدا کرتا ہے۔ پہلی عورت نے بھی اپنے بیٹے سے کہا کہ دین کو تیری جان کی ضرورت ہے اگر تُو دریغ کرے گا تو میں تجھ سے خوش نہیں ہونگی اور دوسری عورت نے بھی یہی نمونہ دکھایا۔ جس وقت میں نے یہ واقعہ سنا اُس وقت میری وہی کیفیت ہوگئی جو مالک بادشاہ کی ہوئی تھی۔ مالک ۱۸ سال کی عمر میں یتیم ہوگیا تھا۔ اس کے والد (جو ایک بڑا بادشاہ تھا) کے مرنے کے بعد اس کے ایک اور بیٹے اور ایک بھائی نے حصولِ تخت کے لئے لڑائی شروع کر دی۔ نظام الدین طُوسی جو اُس وقت

وزیر اعظم تھا اور مالک کا اُستاد بھی (یہ نظام الدین طُوسی وہی ہیں جن کا نظامِ تعلیم فرنگی محل میں ایک عرصہ تک جاری رہا ہے) اس نے مالک کو اپنے ساتھ لیا اور اُسے موسیٰ رضا کی قبر پر دعا مانگنے کے لئے لے گیا۔ موسیٰ رضا کی قبر پر ان دونوں نے دعا کی۔ مالک بھی دعا کیلئے سجدہ میں گرے اور وزیر بھی سجدہ میں گرا اور دعا کی کہ اے خدا! تُو موسیٰ رضا کے واسطہ سے ہمیں جنگ میں فتح عطا فرما! تاریخ میں آتا ہے جب دونوں دعا سے فارغ ہوئے تو مالک نے وزیر سے پوچھا تم نے کیا دعا کی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ حضور میں نے دعا کی ہے کہ اے اللہ! تُو میرے بادشاہ کو میدانِ جنگ میں فتح عطا فرما اور اس کے دشمنوں کو رسوا کر۔ اِس پر ۱۸ سالہ مالک نے کہا۔ نظام الدین میں نے تو یہ دعا نہیں کی۔ میں نے تو یہ دعا کی ہے کہ اے اللہ! میں نہیں جانتا کہ میں قوم کے لئے مفید ہوں یا نہیں۔ بادشاہ ہونے کا مدعی میں بھی ہوں میرا بھائی بھی ہے اور میرے چچا بھی ہیں تجھے معلوم ہے کہ قوم کے لئے ہم میں سے کون سا وجود مفید ہے اگر تُو جانتا ہے کہ میں قوم کے لئے مفید ہوں تو کل کی جنگ میں مجھے کامیابی عطا فرما۔ اگر میرے بھائی یا چچا قوم کے لئے مفید ہیں تو اے اللہ! کل کی جنگ میں مجھے مروا دیجیئو تا میں اُس نظام کے راستہ میں روک نہ بنوں جس کو تُو قائم کرنا چاہتا ہے۔ گبن جیسا متعصب مؤرخ لکھتا ہے مسلمان کافر ہیں مگر عیسائی دنیا کی تاریخ میں جتنے بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں ان میں سے کسی ایک کی زبان سے بھی میں نے وہ کلمہ حکمت نہیں سنا جو اس کافر ۱۸ سالہ نوجوان بادشاہ سے سنا ہے۔ مجھ پر یہ بھی اثر ہوا۔ میں نے وہ خط بند کر کے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے بیٹے اور پوتے بھی اس کام میں شامل ہیں اگر اس کام میں جان کی قربانی کی ہی ضرورت ہے تو اے خدا! اس عورت کے بیٹے واپس بھیج دیجیئو اور میرے بیٹوں کو جان کی قربانی کی توفیق عطا فرمائیو۔

پس موت کوئی چیز نہیں جس سے ڈرا جائے۔ کون ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا موت بہر حال آئے گی لیکن کوئی موت عزت کی ہوتی ہے اور کوئی موت بے عزتی کی ہوتی ہے اگر کوئی شخص اپنے آپ کو موت سے بچانا چاہتا ہے تو اس سے زیادہ احمق اور کوئی نہیں۔ پس اپنے اندر ایک نیا تغیر پیدا کرو اور جو نئی ذمہ داریاں خدا تعالیٰ نے تمہارے سپرد کی ہیں اُنہیں دوسروں سے زیادہ محسوس کرو۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اس وقت حکومت تمہاری نہیں تم پاکستان میں اقلیت

میں ہو اور اس کے فوائد دوسروں کو پہنچیں گے تم کو تو نہیں پہنچیں گے لیکن تم اس بات کے مدعی ہو کہ تم نے خدا تعالیٰ کی مخلوق اور تمام بنی نوع انسان کے لئے کام کرنا ہے۔ تم نے یہ نہیں دیکھنا کہ اس سے تم کو فائدہ پہنچتا ہے یا کسی اور کو۔ تم نے یہ دیکھنا ہے کہ تم اپنی ذمہ داریوں کو سب سے زیادہ ادا کرتے ہو۔ یہ وہ چیز ہے جس سے تم اپنے ایمان کو محفوظ کر سکتے ہو اور یہ وہ چیز ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمہارے مخالفوں کے سینوں سے بغض اور کینہ دور کر دے گا۔ یہ وہ چیز ہے جس سے تم انہیں کھینچ کھینچ کر اپنی طرف لے آؤ گے اور آخری بات وہی ہوگی جو صحابہؓ کے وقت میں ہوئی۔ وہی لوگ جو اِس وقت ہمیں گالیاں دیتے ہیں اور ہماری مخالفت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اِنہوں نے ایک دن نہایت ادب سے ہمارے سامنے اپنا سر جھکانا ہے اور یقیناً ایک دن ایسا آئے گا جب ہمارے دشمن انتہائی لجاجت سے ہمیں کہیں گے کہ تم ہمارے سر پر ہاتھ رکھو اور ہمیں برکت دو۔ یہ دن خواہ جلد آئے یا دیر سے آئے بہر حال آ کر رہے گا لیکن اس دن کو جلد تر لانے کیلئے ہم کو بھی قربانیاں دینی پڑیں گی۔ ہمیں اعلیٰ اخلاق دکھانے پڑیں گے۔ ہمیں ایثار کا بلند ترین نمونہ پیش کرنا پڑے گا اور جب تک ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے عائد شدہ ذمہ داریوں کو ادا نہیں کریں گے اُس دن کے آنے میں دیر ہوتی چلی جائے گی۔

پس میں جماعت کو اچھی طرح آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اب صرف چندوں کے دینے سے کوئی شخص پورا احمدی نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ اب ہماری ذمہ داریاں بدل گئی ہیں۔ جس طرح چار سال کے بچے کا کپڑا اٹھارہ سالہ نوجوان کو کام نہیں دے گا اُسی طرح تمہاری پہلی قربانیاں اب تمہارے کام نہیں آ سکتیں۔ جب تک جانی قربانیوں کی ضرورت نہیں تھی اُس وقت تک تم کامیاب سمجھے جاتے تھے لیکن اب جان کی قربانی کی بھی ضرورت ہے اور قوم اور وطن کی عزت تقاضا کرتی ہے کہ ہم اپنے آپ کو جانی قربانی کیلئے ہر وقت تیار رکھیں۔ تمہاری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ اب تمہیں چاہئے کہ تم آگے سے بڑھ کر اپنا نمونہ پیش کرو۔ تم نے پہلے چندے دینے میں ایک بے مثال نمونہ دکھا دیا ہے یہاں تک کہ ہندوستان اور دوسرے آزاد ممالک بھی وہ کام نہیں کر رہے جو تم کر رہے ہو۔ اب تمہیں دنیا کو یہ بھی دکھا دینا چاہئے کہ جان کی قربانی پیش کرنے میں بھی تم سب سے بڑھ کر ہو۔ یہ نمونہ ہے جو میں تم سے دیکھنا چاہتا ہوں یہ نمونہ ہے

جس کی تمہارا امام تم سے امید کرتا ہے اور جب تک تم ایسا نہیں کرو گے تم میری نظروں میں عزت حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اگر تم میرے معتقد ہو اور جو بات میں کہتا ہوں اس پر یقین رکھتے ہو تو میرے نقطۂ نگاہ سے تم خدا تعالیٰ کی نظر میں بھی اچھے نہیں سمجھے جا سکتے۔

اب میں اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ جو دوست اس جلسہ پر آئے ہیں اور اُنہوں نے میری باتوں کو سنا ہے انہیں خدا تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ وہ واپس جا کر اپنی جماعتوں میں میرے خیالات کو پھیلا دیں اور اپنی اپنی جماعتوں میں تحریک کریں کہ وہ بُزدلی کو دور کریں۔ بُزدلی اور سستی سے صرف دُنیوی نقصان ہی نہیں پہنچتا بلکہ یہ چیز دین کو بھی کمزور کر دیتی ہے اور میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اب کسی صورت میں بھی بُزدلی اور سستی کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ جو شخص بہادر ہوگا۔ جو شخص ضرورت کے وقت اپنی جان کی قربانی دینے کے لئے تیار رہے گا اور جو شخص قربانیاں پیش کر کے قوم اور وطن کی محبت کو ثابت کر دے گا وہی ہم میں رہنے کا مستحق ہوگا اور جو دوسرے لوگ ہونگے ہم آہستہ آہستہ ان کی اصلاح کی کوشش کریں گے لیکن اگر ان کی اصلاح نہ ہو سکی تو ہم انہیں علیحدہ کر دیں گے کیونکہ ماؤف ٹکڑا سارے جسم کو خراب کر دیتا ہے۔ پس جاؤ اور اپنے بھائیوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں اور نئی نئی ذمہ داریوں کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن کے ذمہ ڈالی گئی ہیں پورا کریں۔ پہلے ہم کڑھا کرتے تھے کہ ہم انگریز کے ماتحت ہیں اس لئے ہم اپنے مُلک کی، اپنے وطن کی اور اپنی قوم کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے لیکن اب ہماری بیڑیاں کاٹ دی گئی ہیں، ہماری طوق اُتار دیئے گئے ہیں۔ ایک شیر کو جب چھوڑ دیا جاتا ہے تو کچھ دیر کے لئے اُس پر کسل طاری ہوتا ہے اور وہ انگڑائیاں لیتا ہے۔ اتنی دیر کے لئے اگر تم پر بھی کسل طاری رہتا ہے یا تم انگڑائیاں لیتے ہو تو تم معافی کے قابل ہو لیکن اگر تم اس کے بعد بھی گرے رہتے ہو، اگر تم اس کے بعد بھی سوئے رہتے ہو تو تم معافی کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔ اگر شیر پنجرے سے نکل کر بھی سویا رہتا ہے تو اس کا مرجانا اس کے زندہ رہنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اِس سے بہتر تو گیدڑ ہے جو جانور تو ہے لیکن کم سے کم بے ایمان تو نہیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ لوگوں کو بھی، میری اولاد کو بھی اور آپ

لوگوں کی اولادوں کو بھی، میرے بچوں کو بھی اور آپ لوگوں کے بچوں کو بھی، میری بیویوں کو بھی اور آپ لوگوں کی بیویوں کو بھی، میرے بہن بھائیوں کو بھی اور آپ لوگوں کے بہن بھائیوں کو بھی اپنے فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور وہ قوت اور طاقت ہمیں عطا فرمائے جس سے ہم اسلام کو دوبارہ زندہ کرسکیں اور وہ ہمیں ان قربانیوں کی توفیق عطا فرمائے جو اسلام کی فتح اور اس کی دوبارہ زندگی کے لئے ضروری ہوں۔

(ماخوذ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

---

۱۔ پاخانہ: بیت الخلاء

۲۔ سیرت ابن ھشام جلد ۱ صفحہ ۲۶۹ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۳۔ اٰل عمران: ۱۴۵ ۴۔ المائدہ: ۴۸

۵۔ تذکرہ صفحہ ۲۷۷۔ ایڈیشن چہارم

۶۔ القصص: ۸۶

۷۔ تذکرہ صفحہ ۳۰۷۔ ایڈیشن چہارم

۸۔ السیرۃ الحلبیۃ جلد ۲ صفحہ ۳۳۴۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۹۔ السیرۃ الحلبیۃ جلد ۳ صفحہ ۱۰۶، ۱۰۷ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۱۰۔ الصف: ۱۰

۱۱۔ بخاری کتاب العیدین باب الحراب والدرق یوم العید

۱۲۔ بخاری کتاب المظالم۔ باب من قتل دون مالہ

۱۳۔ بخاری کتاب الاذان باب فضل صلوۃ الجماعۃ

۱۴۔ مسلم کتاب الجنائز باب فضل الصلوٰۃ علی الجنازۃ و اتباعھا

۱۵۔ موضوعات ملا علی قاری صفحہ ۳۵۔ مطبع مجتبائی دھلی ۱۳۴۶ھ

۱۶۔ بخاری کتاب الجنائز باب لَمْ یُظْھِرْ حُزْنَہٗ عِنْدَ الْمُصِیْبَۃِ